اصلاحی بیانات

(۴)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ☜ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط وترتیب ☜ محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخِ اشاعت ☜ جولائی ۲۰۰۲ء

مقام ☜ مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال۔ کراچی

باہتمام ☜ ولی اللہ میمن صاحب

ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز

کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)

قیمت ☜ /۔ روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر صدر کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہم

جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں سیدی واستاذی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی کا بہت نافع اور مفید وعظ ہوتا ہے، احقر بھی اس میں اکثر حاضر ہوتا ہے، اور مستفید ہوتا ہے، کبھی حضرت سفر پر جاتے ہیں تو احقر کے بیان کا اعلان فرما دیتے ہیں، یہ ناکارہ اس لائق تو نہیں کہ وعظ ونصیحت کر سکے تاہم تعمیل حکم کے پیش نظر دین کی کچھ ضروری باتیں عرض کر دیا کرتا ہے، جن سے خود کو بھی نفع ہوتا ہے، اور بعض احباب سے بھی ان کا مفید ہونا معلوم ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے قبول فرمائیں۔ آمین۔

مولانا عبداللہ میمن صاحب مدظلہم نے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ ان بیانات کو محفوظ کیا، پھر ان میں سے بعض بیانات کیسٹ کی مدد سے لکھ کر کتابچہ

کی شکل میں شائع کئے، اور احقر کے چند رسائل بھی شائع کئے ہیں، اب وہ ان تقاریر کا مجموعہ ''اصلاحی بیانات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں،

ان میں سے اکثر بیانات احقر کی نظر ثانی کئے ہوئے ہیں، بعض جگہ احقر نے کچھ ترمیم بھی کی ہے، اور احادیث کی تخریج کر کے ان کا حوالہ بھی درج کیا ہے، بہرحال یہ کتاب کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تقاریر اور رسائل کا مجموعہ ہے۔

اس سے کسی مسلمان کو فائدہ پہنچنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور اگر اس میں کوئی بات غیر مفید یا غیر محتاط ہو تو یقیناً وہ احقر کی کوتاہی ہے، متوجہ فرما کر ممنون فرمائیں!

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان بیانات کو احقر کی اور تمام پڑھنے اور سننے والوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، ذخیرہ آخرت بنائیں اور مرتب و ناشر کو اس خدمت کا بہتر سے بہتر بدلہ دونوں جہانوں میں عطا فرمائیں۔ آمین۔

بندہ عبدالرؤف سکھروی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم اور احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جامعہ دارالعلوم کراچی کے نائب مفتی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات کی چوتھی جلد شائع کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اصلاحی وعظ فرماتے ہیں۔ جس وقت حضرت مولانا مدظلہم سفر پر ہوتے ہیں تو آپ کی غیر موجودگی میں حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب بیات فرماتے ہیں۔ الحمد للہ آپ کے بیانات ریکارڈ کرنے کا بھی پورا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور اس وقت تک آپ کے بیانات کے کیسٹوں کی تعداد سو سے زائد ہو چکی ہے۔ انہی بیانات میں سے بعض کو میرے برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے ٹیپ

ریکارڈ کی مدد سے قلم بند فرمایا ہے، جو علیحدہ کتابچوں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں اوران کے ذریعہ بہت سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ اور صدق و اخلاص کے ساتھ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ولی اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

عنوان	صفحہ

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

اصلاح باطن اور ضرورت شیخ

والدین کے حقوق

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

خوفِ خدا

عنوان	صفحہ

کھانے کی قدر کریں

عنوان	صفحہ

پانی کی قدر کریں

عنوان	صفحہ

وقت کی قدر کریں

عنوان	صفحہ

رمضان المبارک کی تیاری

عنوان	صفحہ
پہلی تیاری دعا	۲۰۸
ماہ رجب کی دعا	۲۰۸
ایک واقعہ	۲۰۹
قرب رمضان کی دعا	۲۱۰
تیاری کا دوسرا حصّہ	۲۱۱
باقی وقت یاد الٰہی میں	۲۱۲
لوگوں سے ملاقاتیں بند کردیں	۲۱۳
حقوق واجبہ ادا کرلیں	۲۱۳
بندوں کے حقوق کی ادائیگی کرلیں	۲۱۴
سابقہ زندگی کا کچا چٹھا بنالو	۲۱۵
قضاء نمازوں کی ادائیگی	۲۱۶
رمضان سے پہلے سچی توبہ	۲۱۷
سچی توبہ کے تین رکن	۲۱۷
توبہ کا تیسرا رکن	۲۱۸
ٹی وی دیکھنے کا گناہ	۲۲۰
ٹی وی گھر پر رکھنا ہی ناجائز ہے	۲۲۰
وقت افطار کی اہمیت	۲۲۲
عصر کے بعد کی اہمیت	۲۲۳

عنوان	صفحہ

خوشبو لگانے کی فضیلت

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

وضو، غسل اور تیمّم کا مسنون طریقہ

عنوان	صفحہ

وضوء کا کامل طریقہ اور آداب

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

ہمارے دینی مدارس کا بنیادی مقصد

اصلاح باطن اور ضرورت شیخ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

اصلاحِ باطن اور ضرورتِ شیخ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ O

(سورۃ التوبہ:۱۱۹)

وَقَالَ رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم. اَلاَ اِنَّ فِیْ الجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلاَ وَهِیَ الْقَلْبُ۔

(اتحاف السادۃ المتقین، ج ۳، ص ۱۵۳)

صدق اللّٰه العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علٰی ذٰلك من الشاهدین والشاکرین والحمد للّٰه رب العٰلمین۔

دین پر عمل کرنے کی بنیاد

میرے قابلِ احترام بزرگو! حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کو پانچ لاکھ حدیثوں میں سے پانچ حدیثوں پر عمل کرنے کی وصیّت فرمائی تھی۔ ان پانچ حدیثوں میں سے ایک حدیث کے آخری حصّے کے بارے میں جو مذکورہ آیت کے بعد میں نے پڑھی ہے، اس کی کچھ تشریح اور وضاحت کرنے کا ارادہ ہے، اس لئے کہ یہ حدیث بہت طویل ہے اور پوری حدیث بیان کرنا اور ساری حدیث کی وضاحت و تشریح کرنا وقت کی کمی کے باعث اس وقت مشکل ہے۔ نیز اس حدیث کا آخری حصہ بہت ہی اہم ہے اور یہ حصہ اتنا اہم ہے کہ جب سے ہم دین کی باتیں سنتے آرہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اور اس کے کرم و مہربانی سے جب تک ہم سنتے

رہیں گے، اُن پر عمل کرنے کی ترکیب اور طریقہ اور اس کی بنیاد اس حدیث کے آخری حصے میں بتائی گئی ہے۔

دین کا مقصد عمل ہے

ظاہر ہے کہ جتنا بھی دین ہے اس کا مقصد بجز عمل کے اور کچھ نہیں ہے، سارے دین کا لُبِّ لُباب یہی ہے کہ ہم اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھال لیں اور اس کے مطابق ہم چلنے والے ہو جائیں۔ دین کی جو باتیں ہم سنتے ہیں، پڑھتے ہیں یا مطالعہ کرتے ہیں، ان کے مطابق ہمارا عمل کیسے ہو؟ تو اس کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمائے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔ اس لحاظ سے جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اور حدیث کا جو آخری حصہ میں نے پڑھا ہے، بہت ہی اہم ہے۔ اگر یہ بات ہمارے ذہن میں منقش ہو جائے تو ہمارے عمل میں کوتاہی اور خامی انشاء اللہ ختم ہو جائے گی، **بس یہ** سمجھئے کہ دین پر عمل کرنے کی کنجی اس آیت اور حدیثِ مبارکہ میں بیان فرمائی گئی ہے، وہ کنجی لے لیں تو انشاء اللہ عمل کا دروازہ کھل جائے گا۔ البتہ اس کو سمجھنے سے قبل چند ضروری باتیں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں تاکہ اس حدیث کا مفہوم سمجھنے میں مزید آسانی ہو جائے۔

انسان کا ظاہر و باطن

۱۔ جس کو انسان کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں دو جہان پیدا

فرمائے ہیں: ایک ظاہر کا جہاں اور ایک باطن کا جہاں۔ ظاہر کے جہاں کو جسم اور مادہ کہتے ہیں، جس میں دو ہاتھ، دو آنکھیں، دو کان، منہ، کمر، پیر، ہڈیاں، گوشت اور خون وغیرہ ہے۔ یہ ایک الگ اور مستقل جہاں ہے اور اس میں مستقل تفصیلات ہیں، دنیاوی اعتبار سے بھی اس کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں، طب کے اندر بھی اس کی بے شمار تفصیلات ہیں، بڑے بڑے اسپتال اس کی اصلاح اور درستگی کے لئے بنے ہوئے ہیں اور بنتے چلے جا رہے ہیں اور اس میں بڑے بڑے ماہرین پائے جاتے ہیں، کوئی آنکھ کا ماہر ہے، کوئی کان کا ماہر ہے، کوئی ناک کا ماہر ہے، کوئی دل کا ماہر ہے، کوئی گردوں کا ماہر ہے اور کوئی پتے کا ماہر ہے یہ انسان کی ایک ظاہری دنیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بنائی ہوئی ہے۔

باطن کی دنیا

انسان کے اندر ایک باطن کی دنیا ہے جس کو دِل کی دنیا کہتے ہیں، جو ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی، لیکن ہر آدمی اس کو محسوس کرتا ہے اور اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ باطن کی دنیا وہ دنیا ہے جہاں طرح طرح کی خواہشات جنم لیتی ہیں اور انسان عجیب عجیب تمنائیں کرتا ہے اور طرح طرح کی فکریں اور سوچیں اس کے اندر اپنا گھر بناتی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص انسان کا دل چیر کر ان خواہشات و تمناؤں کو دیکھنا چاہے کہ یہ کہاں ہیں؟ تو نہ دل میں اور نہ ہی دماغ میں کہیں یہ چیزیں نظر نہیں آئیں گی، لیکن ہر آدمی کے اندر خواہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا بچہ، سب کے اندر یہ خواہشات موجود ہیں۔ بلکہ جب انسان

اس دنیا میں آتا ہے اور اس کو کچھ شعور آتا ہے تو اس کی خواہشات اس وقت سے جنم لینا شروع کر دیتی ہیں اور جوں جوں انسان بڑھتا ہے، اس کی خواہشات بھی بڑھتی رہتی ہیں، بلکہ خواہشات اس سے آگے بڑھ جاتی ہیں اور موت پہلے آجاتی ہے اور اس کے منصوبے رکھے رہ جاتے ہیں اور وہ پہلے ہی دنیا کو خیر باد کہہ جاتا ہے۔ اس کو دل کی دنیا کہتے ہیں۔

فقہ ظاہری احکام کا نام ہے

غرض کہ انسان میں یہ دو جہاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے: پہلا جسم اور مادّے کا جہاں یعنی جسم کی دنیا، دوسرا قلب اور روح کا جہاں یعنی دل کی دنیا۔ اور ان دونوں کے متعلق اللہ پاک نے احکام دیئے ہیں۔ ظاہری اعضاء یعنی جسم سے متعلق بھی بہت سے احکامات ہیں جنہیں انسان ادا کرتا ہے، جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہے، اسی طرح جسم سے متعلق ایسے احکامات بھی ہیں جن سے بچنے کا اللہ پاک نے حکم فرمایا ہے، جیسے جھوٹ بولنا، بد نگاہی کرنا، بد زبانی کرنا، بد تمیزی کرنا، الزام تراشی کرنا، ناحق کسی کو ہاتھ یا پاؤں سے تکلیف پہنچانا وغیرہ، یہ ایسے احکامات ہیں کہ جن کے نہ کرنے کا حکم ہے، اور ان ظاہری احکام کا نام فقہ ہے۔

تصوّف باطنی احکام کا نام ہے

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے باطن اور دل سے متعلق بھی بہت سے احکام دیے

ہیں۔ جیسے صبر کرنا، شکر کرنا، زہد اختیار کرنا، ورع و تقویٰ اپنانا، اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہونا، آخرت کی فکر کا دل میں ہونا، اللہ تعالیٰ کے غصّے و غضب سے ڈرنا اور ان کے حساب سے خوف کھانا، یہ سب دل کے فرائض وواجبات ہیں۔ اسی طرح دل سے متعلق ایسے احکامات بھی ہیں جن میں بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے حسد، بغض، تکبّر، عجب، خود پسندی، خود بینی، وغیرہ ہیں۔ ان باطن کے احکامات کو تصوّف کہتے ہیں۔ تو گویا ظاہر کے احکام کو فقہ اور باطن کے احکام کو تصوّف کہتے ہیں اور دونوں کے مجموعے کو شریعت کہتے ہیں۔ لہٰذا ظاہری احکام پر بھی عمل کرنے کا حکم ہے اور باطن کے احکام پر بھی عمل کرنے کا حکم ہے اور دونوں پر عمل کرنا شریعت پر عمل کرنا ہے، صرف ظاہر کے احکام پر عمل کر لینا کافی نہیں، باطن کے احکام پر بھی عمل کرنا ضروری ہے۔ اسی لئے قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں ظاہر و باطن کے احکام بکثرت اور تفصیل سے ملیں گے، علماءِ امت نے بھی دونوں کے احکامات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

شریعت و طریقت ایک ہیں

لہٰذا بعض لوگوں کے ذہنوں میں جو یہ بات بسی ہوئی ہے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت دوسری چیز ہے اور دونوں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں، یہ بات سراسر غلط ہے، یہ تو جاہل لوگوں کا بنایا ہوا مقولہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ جو جو چیزیں شریعت میں ناجائز ہیں وہ طریقت میں جائز ہو جاتی ہیں۔ العیاذ باللہ! یعنی ان کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت میں نماز چھوڑنا ناجائز ہے لیکن طریقت میں

جائز ہے، تو یہ سراسر گمراہی اور بے دینی پر مبنی بات ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شریعت اور طریقت دونوں الگ اور جدا نہیں ہیں بلکہ طریقت شریعت پر چلنے اور عمل کرنے کا نام ہے، شریعت مجموعۂ احکام کو کہتے ہیں اور طریقت اس پر عمل کرنے کو کہا جاتا ہے، اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شریعت مجموعۂ احکام کو کہتے ہیں اور ان احکامات میں سے باطنی احکامات کو اور ان پر عمل کرنے کو طریقت کہتے ہیں اور اسی کا نام تصوّف ہے۔

جسم اور روح کی بیماریاں

۲۔ جس طرح انسان کا یہ ظاہری جسم بیمار ہوتا ہے، کبھی بخار ہو رہا ہے، کبھی درد ہو رہا ہے، کبھی دست آرہے ہیں، کبھی قبض ہو رہا ہے، کبھی سردی لگ رہی ہے اور کبھی بے انتہاء پیاس لگ رہی ہے، تو جب یہ بیماریاں انسان کے ظاہری جسم کو لاحق ہوتی ہیں تو ان کا علاج ہوتا ہے اور اس کے علاج کے کچھ لوگ ماہر اور طبیب ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح اس دل کی دنیا کے اندر بھی انسان کی روح اور اس کا دل بیمار ہوتا ہے اور اس میں بھی طرح طرح کی بیماریاں اور کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں، ان باطنی کمزوریوں اور بیماریوں کے بھی کچھ ماہر علاج کرنے والے ہوتے ہیں۔

جسمانی بیماری کی حقیقت

جسمانی بیماری ظاہری جسم کی بے اعتدالی کا نام ہے، کیونکہ اللہ پاک نے

جسم میں چار چیزیں پیدا فرمائی ہیں، ان میں صفراء، **سودا**، **بلغم** اور خون ہے، جب یہ چار چیزیں اعتدال میں رہتی ہیں تو انسان کو صحتِ جسمانی حاصل رہتی ہے اور جب ان چار چیزوں میں یا ان میں سے کسی ایک میں کمی یا زیادتی واقع ہوتی ہے تو انسان کا مزاج بگڑ جاتا ہے اور طبیعت خراب ہو جاتی ہے، پھر طبیعت کی خرابی کی بھی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں، کسی کو بخار ہو رہا ہے، کسی کو قبض ہے اور کسی کو دست آرہے ہیں، کسی کو سردی لگ رہی ہے، کسی کو بھوک نہیں لگ رہی وغیرہ وغیرہ، پھر ڈاکٹر صاحبان اور حکماء ایسی ایسی دوائیں تجویز کرتے ہیں اور غذائیں بتاتے ہیں کہ اس کی طبیعت اعتدال پر آجائے اور وہ صحت مند ہو جائے۔

روح کی بیماری کی حقیقت

تو جس طرح انسان کا ظاہری جسم بیمار ہوتا ہے اسی طرح باطن کے اندر بھی بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ باطنی اطباء نے اس باطن یعنی قلب و روح کی صحت اور اس کی بے اعتدالی کی بھی تفصیلات بیان کی ہیں جس کا خلاصہ اطباء روحانی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ:

باطن کی تین طاقتیں

اللہ پاک نے انسان کے دل میں تین طاقتیں رکھی ہیں:

۱۔ عقل ۲۔ شہوت ۳۔ غصہ۔

یہ انسان کے باطن کی تین طاقتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے تین درجات

ہیں۔

ا۔ عقل

عقل انسان کے باطن کے اندر ایک ایسی قوت و طاقت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان اچھے بُرے کو سمجھتا ہے، ذلت و عزت کو سمجھتا ہے، اپنے اور پرائے کو، دوست اور دشمن کو سمجھتا اور جانتا ہے۔ یہ سب باتیں انسان عقل کے ذریعے معلوم کرتا ہے اور اچھی اور مفید باتوں کو پسند کرتا ہے اور بُری باتوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اسی طرح عقل سلیم یہ کہتی ہے کہ انسان اپنے پالنے اور پیدا کرنے والے کو پہچانے، اسے کبھی ناراض نہ کرے۔

جُربُزَہ

جب یہ عقل حد سے آگے بڑھ جائے تو اس کو "جُربُزَہ" کہتے ہیں، یہ عقل کا وہ درجہ ہے جس میں عقل حد اعتدال سے زیادہ تجاوز کر جائے، اس میں بھی انسان روحانی طور پر بیمار ہو جاتا ہے اور بیمار ہونے کی بنا پر پھر وہ طرح طرح کے گناہوں اور خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ "معاذ اللہ" انسان خدا کا ہی انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تو عقل سے سمجھاؤ اور اللہ تعالیٰ کو دکھاؤ، پھر مانوں گا، بغیر دیکھے میں کیسے مان لوں۔ یہ سب کچھ عقل کی زیادتی کی وجہ سے ہے کہ عقل اتنی بڑھ گئی ہے کہ جو چیز انسان کی نظر دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی، اس کو بھی دیکھنے کا مطالبہ کرنے لگا، حالانکہ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو نظر

نہیں آتیں مگر پھر بھی انسان ان کو مانتا ہے، اللہ تعالیٰ تو پھر بہت ہی اونچے اور عظیم ہیں۔

حماقت

جب یہ عقل حد سے بہت نیچے گر جائے تو اس کو "حماقت" کہتے ہیں اور ایسے شخص کو لوگ بے وقوف اور احمق کہتے ہیں کہ بھئی اس سے دور رہو، اس کے پاس عقل تو ہے نہیں، اس لئے یہ بے وقوفی کی باتیں کرے گا، اور ایسا آدمی دھوکہ میں بھی جلد آجاتا ہے۔

حکمت

بہر حال، عقل اگر حد سے بڑھ جائے تو بھی نقصان دہ ہے اور اگر یہی عقل حد سے کم ہو جائے تو بھی انسان کے لئے نقصان دہ ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے وہ بیوقوف ہو جاتا ہے اور اس کو سمجھانا نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بھی عقل کا ایک درجہ ہے اس کو "حکمت" کہتے ہیں۔ 'سبحان اللہ' کیسا پیارا نام ہے کہ جب عقل اعتدال میں اور درمیان میں رہتی ہے تو پھر انسان حکیم اور دانا کہلاتا ہے جو حق و باطل کو اور اچھے اور برے کو پہچان سکتا ہے، جو تمام خوبیوں کی جڑ ہے۔ اسی کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"جس کو حکمت نصیب ہوئی اس کو خیر کثیر عطا ہوئی۔"

۲۔ شہوت

دوسری طاقت اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں شہوت کی رکھی ہے۔ شہوت کا ایک عام مفہوم ہے جسے عام طور پر لوگ جنسی خواہش کا نام دیتے ہیں، مگر تصوّف کی اصطلاح میں شہوت صرف جنسی خواہش کا نام نہیں بلکہ شہوت کا مفہوم عام ہے، وہ یہ ہے کہ "ہر کام کی اور نفع کی چیز کو چاہنے اور حاصل کرنے کو شہوت کہتے ہیں" اب یہ نفع چاہے مال سے متعلق ہو یا جان سے متعلق ہو یا ذات سے متعلق ہو یا خاندان سے متعلق ہو یا مدرسے سے متعلق ہو یا جنسی تقاضوں سے متعلق ہو، اس کا نام شہوت ہے۔ بہر حال! شہوت انسان کے باطن کی اُس قوت کا نام ہے جس کے ذریعے سے انسان کے دل میں ہر چیز کو لینے کی خواہش اور چاہت پیدا ہوتی ہے۔

فجور

شہوت کے بھی تین درجات ہیں، جب شہوت اعتدال سے آگے بڑھ جائے تو اس کو "فجور" کہتے ہیں۔ یہ لفظ عام طور سے اردو زبان میں فسق و فجور یعنی نافرمانی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ایسے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بڑا فاسق و فاجر آدمی ہے۔ بہر حال! جس شخص میں فجور کی حد تک شہوت بڑھ جاتی ہے تو نہ اس کے جنسی تقاضوں میں اعتدال ہوتا ہے، نہ مال کے تقاضوں میں اعتدال ہوتا ہے، نہ عزت و آبرو کے بارے میں اس کو خیال ہوتا

ہے، ہر جگہ یہ شخص لڑتا جھگڑتا ہے، مارتا ہے دھاڑتا ہے، بے شرمی، بے حیائی اور ہر طرح کی عیاشی و بدمعاشی میں ڈوبا رہتا ہے، اسراف و فضول خرچی اور ریاکاری میں مبتلا رہتا ہے، یہ سب کچھ اس کی شہوت کے حد سے آگے بڑھ جانے کا نتیجہ ہے اور اسی وجہ سے وہ طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

خمود

جب شہوت حد سے کم ہو جائے اور حدِ اعتدال سے نیچے گر جائے تو اس کو "خمود" کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اس شخص کے اندر غیرت ہی نہیں رہتی، پھر کوئی چاہے اس کی ماں کے ساتھ بُرا سلوک کرے، چاہے اس کی بیٹی کے ساتھ بُرا سلوک کرے، چاہے خاندان والوں کے ساتھ بُرا سلوک کرے، اس کو اس کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی۔ اس کی شہوت اتنی بجھ چکی ہوتی ہے کہ اب اس کو نہ رشتہ داروں اور عزیز و اقارب کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ عزت و آبرو کی پرواہ ہوتی ہے، کیونکہ اس کی غیرت و حمیت بالکل ہی ختم ہو چکی ہوتی ہے۔

عِفّت

ان دونوں کے درمیان بھی شہوت کا ایک درجہ ہے اس کا نام "عِفّت و پاکدامنی" ہے، جس کو اللہ تعالیٰ شہوت حدِ اعتدال میں عطا فرما دیں تو اس کو عِفّت و پاکدامنی حاصل ہو جاتی ہے، پھر وہ مال میں بھی عفیف ہوتا ہے، عزت و

آبرو میں بھی عفیف ہوتا ہے، جنسی تقاضوں میں بھی عفیف ہوتا ہے، اور جائز و حلال طریقے سے ہی اپنی خواہش پوری کرتا ہے، کسی کا مال ناجائز طریقے سے نہیں لیتا، کسی کی آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالتا، کسی پر تہمت و الزام نہیں لگاتا اور کسی کی غیبت و بُرائی نہیں کرتا اور کسی خاتون پر بری نظر نہیں ڈالتا بلکہ عفّت و پاکدامنی سے رہتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں یہ دعا آئی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَ الْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ
وَحُسْنَ الْخُلْقِ وَالرِّضٰی بِالْقَدْرِ۔

اے اللہ میں آپ سے صحت اور پاکدامنی اور امانتداری
اور حسن اخلاق اور تقدیر پر راضی ہونا مانگتا ہوں۔

یعنی جو کچھ آپ نے میری قسمت میں لکھدیا ہے، یا اللہ میں دل و جان سے اس پر راضی ہوں، آپ مجھے یہ تقدیر پر راضی ہونے کی نعمت عطا فرمادیجئے۔

۳۔ غصّہ

تیسری طاقت اللہ پاک نے انسان کے اندر غصّہ کی پیدا فرمائی ہے۔ اس کے بھی تین درجات ہیں۔

تہوّر و بے باکی

جب غصّہ حد سے بڑھ جائے تو اس کو تہوّر کہتے ہیں اور ایسے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بھئی اس کی تو ناک پر غصّہ رکھا رہتا ہے، بات بات پر

جھگڑتا ہے، اس کے قریب مت جانا، یہ تو بھیڑیا ہے۔ اللہ بچائے، جس شخص میں حد سے زیادہ غصہ ہوتا ہے اور ہر شخص اس سے ڈرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ اس کے پاس تو وہ جائے جس کی عزت نہ ہو، یہ بھی ایک بدترین عیب اور بیماری ہے۔

جُبن (بزدلی)

جب غصہ حد سے زیادہ کم ہو جائے تو اس کو بزدلی کہتے ہیں، اور بزدل شخص ایسا ہو جاتا ہے کہ کوئی اس کو بلاوجہ مار رہا ہے تو کہتا ہے کہ اور مار لے اور اگر کوئی پیسے چھین رہا ہے تو کہتا ہے کہ ٹھہرو گھر پر بھی رکھے ہیں وہ بھی لا کر دیتا ہوں، بتایئے ذرا یہ بھی کوئی چیز ہے۔ اللہ بچائے دشمن مارنے کے لئے آیا ہوا ہے، حملہ کر رہا ہے، بیوی بچوں کو پکڑ رہا ہے، مال چھین رہا ہے، مگر اس سے لڑا ہی نہیں جا رہا، خوف و ڈر کی وجہ سے بزدل بنا ہوا ہے۔ اور بعض لوگ تو اتنے بزدل ہوتے ہیں کہ معمولی معمولی باتوں سے بھی ڈرتے ہیں، یہ سب بزدلی کا نتیجہ ہے۔

شجاعت و بہادری

ان دونوں کے درمیان غصہ کا ایک درجہ ہے اس کا نام شجاعت ہے۔ ''سبحان اللہ'' جس موقع پر اس غصے کے استعمال کا حکم ہے اور جتنا استعمال کرنے کا حکم ہے، اس کو اتنا ہی استعمال کرنا شجاعت کہلاتا ہے۔

جب اللہ کے لئے غصہ آتا ہے تو کیسے اعتدال کے ساتھ آتا ہے اور پھر کیسا کارگر ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں ایک قصہ آپ کو سناتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی غصے میں اعتدال نصیب فرمائے۔ آمین۔

اللہ کیلئے غصہ آنا

یہ قصہ حضرت مولانا نورالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، یہ اسلامی تاریخ میں کسی خلیفہ کے زمانے میں ایک عالم گزرے ہیں، بڑے متقی، پرہیزگار اللہ والے عالم تھے، ایک دن یہ دریا کے کنارے ٹہل رہے تھے کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک کشتی کنارے پر آکر ٹھہری اور ان لوگوں نے جو اس کشتی میں سوار تھے، کشتی پر سے شراب کے مٹکے اتار کر کنارے پر رکھنے شروع کر دیئے۔ حضرت کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ اسلامی حکومت ہے اور اسلامی حکومت میں شراب کا تصور نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ اتنی کثیر مقدار میں یہاں شراب اتاری جارہی ہے، وہ حیران بھی ہوئے اور انہیں غصہ بھی آیا کہ اسلامی حکومت میں شراب کیوں، کس کے لئے اور کہاں سے آئی۔ حضرت شراب اتارنے والوں کے قریب تشریف لائے اور ان سے پوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آئے ہو اور یہ شراب کس کے لئے لائے ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ شراب خلیفہ کے لئے لائی گئی ہے، یہ سن کر حضرت کو بہت زیادہ غصہ آیا اور فرمایا کہ خلیفہ کے لئے شراب لائے ہو؟ اس کا تو یہ فرض ہے کہ وہ شراب کو اپنی مملکت اور حکومت میں ممنوع قرار دے، چہ جائیکہ اس کے لئے شراب لائی جا

رہی ہے۔ حضرت کے ہاتھ میں عصا تھا، انہیں اس وقت ایسا غصہ آیا کہ انہوں نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، مٹکے پھوڑنا شروع کر دیئے، کل دس مٹکے تھے لیکن انہوں نے نو مٹکے پھوڑ دیئے اور دسواں مٹکا چھوڑ دیا، ان لوگوں نے جو شراب کشتی میں سے اتار رہے تھے، فوراً جاکر رپورٹ کی کہ خلیفہ کے لئے شراب آئی تھی مگر ایک صاحب آئے اور انہوں نے نو مٹکے پھوڑ دیئے اور ایک مٹکا بچادیا۔ رپورٹ ملتے ہی حضرت کی گرفتاری کا حکم ہو گیا اور گرفتار کر کے خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا گیا، خلیفہ کی مجلس میں بھی حضرت بے دھڑک جاکر کھڑے ہو گئے، خلیفہ نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا میرا نام عبداللہ ہے، اس نے کہا کہ عبداللہ تو سب ہی ہیں، آپ اپنا اصلی نام بتائیں، تب انہوں نے فرمایا کہ میرا اصل نام ابوالحسن نوری ہے۔ خلیفہ نے غصہ سے کہا کہ شراب کے مٹکے تم نے توڑے ہیں؟ حضرت نے جواب دیا ہاں! میں نے توڑے ہیں۔ کیونکہ ان میں شجاعت تھی، اس لئے خوب رعب سے جواب دیا۔ پھر خلیفہ نے پوچھا کہ تم نے کس کے حکم سے یہ مٹکے توڑے؟ حضرت نے جواباً فرمایا کہ اس کے حکم سے توڑے جو تجھ پر بھی بادشاہ ہے۔ "اللہ اکبر" خلیفہ بھی چونکہ مسلمان تھا، جب اس نے یہ جواب سنا تو اس کو بھی خدا یاد آگیا اور اس کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔

خلیفہ نے حضرت کے اس جواب کے بعد ذرا نرم لہجے اور نرم انداز سے پوچھا کہ جب آپ نے اللہ کے حکم سے یہ مٹکے پھوڑے ہیں تو نو پھوڑے دسواں کیوں چھوڑ دیا؟

جواب سنیئے جو کہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور اس واقعہ میں یہی بتلانا

مقصود ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جب میں نے یہ سنا کہ یہ شراب خلیفہ کے لئے آئی ہے تو مجھے اللہ کے لئے اتنا غصہ آیا کہ میں اس غصے میں لگاتار مٹکے توڑتا چلا گیا اور غیر اللہ کا مجھے خیال تک نہیں آیا، مگر جب میں نے نو توڑ دیئے تو اچانک آپ کا خیال آیا کہ خلیفہ کیا کہے گا کہ اس نے بے خوف و خطر سارے ہی مٹکے توڑ دیئے، میری سزا اور پکڑ، قید و بند اور میری بادشاہت سے بھی نہیں ڈرا۔ بس یہ خیال آتے ہی رک گیا اور میں نے سوچا کہ اب دسواں مٹکا توڑنا اپنی بہادری جتلانے کے لئے ہوگا، اللہ کے لئے نہیں ہوگا، کیونکہ اب تک جو مٹکے توڑے تھے وہ اللہ ہی کے لئے توڑے تھے، میرے ذہن میں غیر اللہ کا خیال تک بھی نہیں آیا تھا، مگر دسواں مٹکا توڑنے سے قبل چونکہ خلیفہ کا خیال آگیا، اس لئے میں وہیں رک گیا اور یہ مٹکا چھوڑ دیا کہ اس کو توڑنا اللہ کے لئے نہیں بلکہ اپنی بہادری دکھلانے کے لئے ہوگا۔ یہ سن کر خلیفہ نے کہ بھئی آپ تو بہت ہی اونچے آدمی نکلے، لہٰذا آج کے بعد سے آپ میری سلطنت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شعبہ کے وزیر اعلیٰ ہیں، یہ شعبہ آپ ہی سنبھالیں، مجھے آپ جیسا آدمی چاہئے جو مملکت کے اندر اچھی باتوں کا حکم دے اور بُری باتوں سے منع کرے۔

غور کیجئے! انہیں غصہ تو آیا لیکن وہ غصہ اللہ کے لئے آیا تھا اور جہاں تک آیا، اس کو وہیں تک استعمال کیا، اور جب یہ غصہ اللہ کے لئے خالص نہ رہا تو اس کو چھوڑ دیا کہ اب یہ غصہ اللہ کے لئے نہیں رہا بلکہ اس میں غیر اللہ کی شمولیت ہو گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ ابھی تو نو مٹکے توڑے تھے اب نو سو (۹۰۰) مٹکے توڑنے

کا اختیار مل گیا۔ سبحان اللہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اخلاص

ایسا ہی ایک قصہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور ہے۔ایک مرتبہ ایک دشمن سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقابلہ ہوا، آپ نے اس کو زیر کرلیا اور اس کو گرا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئے تاکہ اس کا سر قلم کردیں، ابھی آپ اس کافر کو قتل کرنے کا ارادہ فرما ہی رہے تھے کہ اس نے اچانک آپ کے چہرے پر تھوک دیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً اس کو چھوڑ کر کھڑے ہوگئے، وہ دشمن ہکا بکا رہ گیا کہ کہاں تو حضرت میری طاقت سے بھی زیر نہیں ہو رہے تھے اور مجھے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے اور کیا ذرا سے تھوک دینے سے مجھے چھوڑ کر کھڑے ہوگئے۔اس کافر اور دشمن دین نے کہا کہ **حضرت!** یہ کیا ہوا؟ اتنی آسانی سے اور اتنی چھوٹی اور معمولی سی بات پر آپ نے مجھے معاف کردیا، حالانکہ اب تو آپ کو اور زیادہ غصہ آنا چاہئے تھا کہ میں نے آپ کی توہین اور بے عزتی میں کمی نہیں کی، بجائے مجھے قتل کرنے کے آپ نے مجھے معاف کیوں کردیا؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جس وقت میں تمہارے سینے پر بیٹھا تھا اور تمہیں قتل کرنے لگا تھا تو اس وقت تمہیں قتل کرنے کا ارادہ اور میرا غصہ خالص اللہ کے لئے تھا، تم دشمن خدا تھے، میرے ذمے تھا کہ میں تمہیں ختم کردوں، لیکن جس وقت تم نے میرے منہ پر تھوکا تو میرے نفس کو اشتعال آیا اور میرے دل میں غصہ پیدا ہوا، وہ غصہ میرے

اپنے لئے تھا، وہ غصہ اللہ کے لئے نہیں تھا، تو میں نے سوچا کہ اب اس کو قتل کرنا خالص اللہ کے لئے نہیں ہوگا بلکہ اپنے لئے ہوگا اور اپنے لئے غصہ کرنے کی ممانعت ہے، اس لئے میں نے تمہیں معاف کردیا۔

یہ سن کر اس کافر نے کہا کہ حضرت! ہاتھ بڑھائیں، میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور کلمہ پڑھتا ہوں کہ جس مذہب کے اندر اتنی دقیق تعلیم ہو اور جس مذہب میں اتنی حد بندی ہو کہ جہاں تک غصہ اللہ کے لئے ہے، اسے استعمال کرو اور جہاں غصہ اللہ کے لئے نہ ہو، اسے استعمال کرنا چھوڑ دو، تو وہ مذہب سچ ہی ہو سکتا ہے، لہٰذا میں مسلمان ہوتا ہوں۔

بہر حال، غصہ اگر اعتدال میں ہو تو شجاعت ہے اور حد سے زیادہ کم ہو جائے تو بزدلی ہے۔

اعتدال و عدالت

وہ تین طاقتیں جو اللہ پاک نے انسان کے باطن میں پیدا فرمائی ہیں، ان میں درمیان کے درجات بھی ہیں، پہلی طاقت عقل ہے جس کا درمیانی درجہ حکمت ہے، دوسری طاقت شہوت ہے جس کا درمیانی درجہ عِفّت ہے اور تیسری طاقت غصے کی ہے اور اس کا درمیانی درجہ شجاعت ہے، اور ان تینوں کے مجموعے کا نام اعتدال ہے۔ اور اگر اوپر کے الفاظ کے ساتھ اس کو ان کے ہم وزن کہنا چاہیں تو اس کا نام عدالت ہے اور اسی کا نام صحت روحانی ہے، اللہ پاک ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

جب یہ تین طاقتیں اعتدال میں رہتی ہیں تو انسان حکمت، عِفّت اور شجاعت کا حامل رہتا ہے اور صحت روحانی اسے حاصل ہوتی ہے، پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی تجلّیات نصیب ہوتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبّت میں غرق ہوتا ہے، دنیا کی محبّت اس کے دل سے نکل جاتی ہے اور وہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں اپنے اوپر شریعت کی بالادستی قائم کرتا ہے، عقائد بھی اس کے صحیح ہوتے ہیں، عبادات بھی سنّت کے مطابق، معاشرت بھی سنّت کے مطابق اور معاملات بھی سنّت کے مطابق ہوتے ہیں، اچھے اخلاق سے وہ شخص آراستہ ہوتا ہے اور بداخلاقیوں سے پاک ہوتا ہے۔

بے اعتدالی مرض ہے

اور جب ان تین طاقتوں میں کمی بیشی ہوتی ہے تو پھر انسان روحانی طور پر بیمار ہو جاتا ہے، مثلاً غصّے کے اندر اگر بے اعتدالی پیدا ہو جائے تو اس سے نفرت، حسد اور بغض کی بیماریاں جنم لیتی ہیں، اور بعض مرتبہ اسی غصّے کی وجہ سے ناحق کسی کو قتل کرنے سے بھی انسان نہیں رکتا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیتا ہے۔

اسی طرح اگر شہوت حد سے بڑھ جائے تو حرام و ناجائز طریقے سے انسان جنسی خواہشات کو پورا کرنے لگتا ہے، لوٹ مار کرتا ہے اور نہ جانے کتنے ایسے بے شمار روحانی امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے جنہیں گناہ کہا جاتا ہے، ظاہری گناہوں میں بھی مبتلا ہوتا ہے اور باطنی گناہوں میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے، بلکہ

ظاہری اعضاء وجوارح کے جتنے احکام ہیں، ان میں بھی کمال اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان ان تینوں چیزوں کے اندر اعتدال رکھتا ہے۔

بہر حال! جس طرح جسم کے اعتدال کے لئے صفرا، سوداء، بلغم اور خون، ان چار چیزوں کا اعتدال میں ہونا ضروری ہے، اگر یہ چاروں چیزیں اعتدال میں نہ رہیں یا ان میں سے کوئی ایک چیز اعتدال میں نہ رہے تو یہ جسم بیمار ہو جاتا ہے، بالکل اسی طرح انسان کے باطن کے اعتدال کے لئے عقل، غصہ اور شہوت کا اعتدال میں ہونا ضروری ہے، اگر یہ تینوں چیزیں اعتدال میں نہ رہیں تو انسان کا باطن یعنی قلب وروح بھی بیمار ہو جاتے ہیں، اور پھر جس طرح جسمانی امراض کے لئے اطباءِ جسمانی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اسی طرح روحانی بیماریوں کے لئے اطباءِ روحانی کی خدمت میں حاضری ضروری ہو جاتی ہے، ان کو تلاش کیا جائے اور ان کی خدمت وصحبت کو لازمی طور پر اختیار کیا جائے۔

اہل اللہ کی صحبت

اللہ پاک نے قرآن کریم کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا
مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں
کے ساتھ ہو جاؤ۔

اور اس حدیث میں بھی جو میں نے ابتداء پڑھی تھی اسی طرف اشارہ ہے کہ:

سن لو جسم کے اندر ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوتا ہے
تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو
سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سن لو جسم کا وہ ٹکڑا دل ہے۔

تو گویا ایک دل تو جسم کا ہے جو گوشت کا ٹکڑا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک باطنی دل باطنی جسم میں بھی پیدا فرمایا ہے اور اس دل کی صحت و بیماری، باطن کی صحت و بیماری ہے۔ جسمانی اور باطنی دونوں دلوں میں ایک ایسا باریک تعلق اور جوڑ اور ایک ایسا باریک راستہ ہے کہ اللہ کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا، مگر یہ بات یقینی ہے کہ یہ تعلق اور واسطہ انسان کے جسم اور باطن میں موجود ہے۔

شیخ کامل کی علامات

اطبّاء روحانی جو انسان کے باطن کی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں، ان کی پانچ علامتیں ہیں، جس شخص میں وہ پانچ علامتیں پائی جائیں، اس کو طبیبِ روحانی کہتے ہیں، پھر اس کے پاس جانا چاہئے، اس کے پاس بیٹھنا چاہئے، اپنے دل اور باطن کا حال اس کو بتانا چاہئے اور پھر اس سے اپنے روحانی امراض کا علاج کرانا چاہئے۔

نمبرا۔ طبیبِ روحانی کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو اور ہر مسلمان پر دین کا جتنا ضروری علم جاننا فرض عین ہے، اس فرض عین کے مطابق دین کا ضروری علم اس کے پاس ہو، یعنی حلال و حرام، جائز و ناجائز، نیکی و

بدی اور اصلاح و تربیت کا ضروری علم اس کے پاس ہو۔

نمبر ۲۔ دوسری علامت یہ ہے کہ وہ متبعِ سنت اور متبعِ شریعت ہو۔ یعنی اس کی زندگی شریعت اور سنت کے مطابق ہو۔

نمبر ۳۔ تیسری علامت یہ ہے کہ اللہ پاک نے اسے کثرتِ ذکر اللہ کی توفیق دے رکھی ہو، کیونکہ اس راہ میں سب سے پہلا قدم کثرتِ ذکر اللہ اور دوسرا قدم صحبتِ اہل اللہ ہے۔ کثرت ذکر اللہ اور صحبت اہل اللہ، یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے عام طور انسان کو بآسانی صحتِ روحانی حاصل ہو جاتی ہے، بہر حال! کثرتِ ذکر اللہ کا یہ شخص عادی ہو۔ اب ذکر اللہ کی بہت ساری قسمیں اور صورتیں ہیں، جن میں قرآن شریف کی تلاوت تمام اذکار کی سردار ہے، اس کے علاوہ تسبیحات، اور خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے وعظ و نصیحت، درس و تدریس، تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف وغیرہ بھی ذکر اللہ میں شامل ہیں۔

نمبر ۴۔ چوتھی علامت یہ ہے کہ اس طبیبِ روحانی نے بھی کسی اللہ والے کی جس میں یہ پانچ علامتیں پائی جاتی ہیں، خدمت و صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح و تزکیہ و تربیت کرائی ہو اور پھر اس کے بعد اس نے اس کو کہا ہو کہ ہاں اب تم بھی دوسروں کی رہنمائی اور اصلاح و تربیت کر سکتے ہو، بالفاظِ دیگر اس کو اپنا مجاز بنایا ہو کہ تم سے کوئی اللہ کا نام پوچھے تو اس کو بتا دینا۔ اس لئے کہ جو خود ابھی اصلاح کے مراحل سے گزر رہا ہو اور ابھی خود ہی مریض روحانی ہو تو وہ دوسرے کو صحیح راہ کیسے بتا سکتا ہے؟ جو خود ہی اندھیرے میں ہو وہ دوسرے کو کیسے روشنی فراہم کر سکتا ہے؟ کیونکہ جس کے پاس روشنی ہو وہی دوسرے کو

بھی روشنی فراہم کر سکتا ہے۔

نمبر ۵۔ طبیبِ روحانی کی پانچویں علامت یہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی فکر بڑھتی ہوئی محسوس ہوتی ہو اور دل میں دنیا سے نفرت اور گناہوں سے بچنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہو۔

جس اللہ کے نیک بندے کے اندر یہ پانچ علامتیں موجود ہوں، وہ شیخ کامل ہے، وہ مرشدِ روحانی اور طبیبِ روحانی ہے اور معتبر پیر صاحب ہیں۔ ایسی علامتوں والے جس بزرگ سے مناسبت ہو جائے، اس کا دامن تھام لینا چاہئے، وہی ہمارے لئے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عطّار رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے، پھر اس چیز کی فکر نہ کریں اور اس انتظار میں نہ رہیں کہ واقعتاً اگر حضرت جنید بغدادیؒ آئیں گے تو میں ان کی خدمت و صحبت میں رہوں گا۔

یاد رکھئے! اب کوئی اصلی جنید بغدادیؒ نہیں آئیں گے، وہ تو آکر چلے گئے ہیں۔ جس طرح علاجِ جسمانی کے لئے بھی آج کل جالینوس نہیں ہے اور نہ آسکتا ہے تو پھر کیوں مختلف ڈاکٹروں اور حکیموں سے علاج کرا رہے ہو، حکیم جالینوس کا ہی انتظار کرنا چاہئے، جتنے بھی بڑے بڑے اطباءِ جسمانی ہیں، وہ سب گزر چکے ہیں، آج وہ کسی کو میسر نہیں ہیں، اب تو علاجِ جسمانی ان کے شاگردوں کے شاگردوں کے شاگردوں سے ہو رہا ہے، بس بالکل اسی طرح حضرت جنید و شبلی اور عطّار و رازی وغیرہم رحمہم اللہ اور یہ جتنے بھی بڑے بڑے امام اور صوفیاء گزرے ہیں، ان کے شاگردوں کے شاگردوں

کے شاگردوں کے شاگرد آج بھی موجود ہیں، ان سے بھی اسی طرح روحانی علاج کرایا جاسکتا ہے جس طرح جالینوس اور بوعلی سینا کے شاگردوں سے جسمانی علاج کرایا جارہا ہے۔ لہٰذا اب بڑے بڑے امام اور صوفیاء اور بڑے بڑے اطبآء جسمانی کے انتظار میں رہنا، یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔

ہمارے شیخ و مرشد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے اندر دین کی طلب اور اصلاح کی فکر ہونی چاہئے، اگر واقعی تمہارے اندر دین کی طلب اور اصلاح کی فکر ہے اور اپنی روح کو درست کرنے اور اس کی بیماریوں کو دور کرنے کا جذبہ ہے تو تم اپنی مسجد کے مؤذن کے پاس بھی اسی نیت سے بیٹھو گے تو تمہیں باطنی نفع پہنچے گا۔ بس جذبہ یہ ہونا چاہئے کہ:

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے
خون کی موجیں گزر جائیں نہ کیوں
آستانہ میں نہ چھوڑوں گا مگر

یہ جذبہ اگر ہو تو پھر ہم جس کے پاس بھی جائیں گے، اس کے پاس بیٹھنے سے بھی ہمیں انشاء اللہ دین کا فائدہ و نفع ہوگا۔

مناسبت

مذکورہ بالا پانچ شرائط تو شیخ کامل سے متعلق ہیں اور ایک شرط مریض

روحانی سے متعلق ہے، وہ یہ ہے کہ اس مرید یا روحانی مریض کو بھی ایسے کسی بزرگ اور اللہ والے شیخ کامل سے مناسبت ہو۔ یہ شرط لازمی ہے، اس لئے کہ اگر شیخ کامل کے اندر پانچوں علامتیں موجود ہیں، مگر ہمارا اس سے مزاج نہیں مل رہا اور طبیعت اس کے ساتھ نہیں چل رہی تو پھر بھی فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے طبیعت کا ملنا اور مناسبت کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح بعض اوقات جسمانی امراض میں بڑے سے بڑے ڈاکٹر سے اطمینان نہیں ہوتا اور اپنے معمولی درجے کے ڈاکٹر سے اطمینان اور فائدہ ہو جاتا ہے، حالانکہ اس سے بڑے بڑے اور ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر اور طبیب موجود ہیں، مگر مناسبت اور طبیعت نہ ملنے کی وجہ سے ان سے اطمینان نہیں ہوتا، بالکل اسی طرح روحانی امراض میں ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ کوئی بزرگ بہت اونچے درجے کا ہوتا ہے لیکن ہمیں اس سے مناسبت اور طبیعت نہ ملنے کی وجہ سے فائدہ نہیں ہوتا۔

بہر حال! باطن کی اصلاح اور نفع کے لئے مناسبت کا ہونا شرطِ اعظم ہے، جس سے بھی مناسبت ہو جائے، چاہے ظاہر میں چاہے وہ دوسروں سے کم تر ہو، بس وہی ہمارے لئے کامل طبیبِ روحانی ہے، آنکھ بند کر کے اس کا دامن پکڑ لیں اور اپنے باطن کے تمام امراض اس کو بتلائیں اور اپنا کوئی باطنی حال اس سے نہ چھپائیں، ہر برائی بھلائی اس کے سامنے رکھدیں اور جو ہدایات وہ دے، اس کے مطابق عمل کر کے اس کو اطلاع کرتے رہیں اور اس طرح مسلسل اس سے رابطہ رکھیں۔

اصلاح کیلئے گہرا رابطہ

جس طرح جسمانی امراض میں مسلسل رابطہ رکھنا پڑتا ہے، ہر مہینے یا دو مہینے کے بعد ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق آدمی جاتا ہے، رپورٹ وغیرہ دکھاتا ہے، نسخے لکھواتا ہے، پھر انہیں استعمال کرتا ہے، پرہیز کرتا ہے اور آتا جاتا رہتا ہے، اسی طرح انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح یہ اصلاحی تعلق بھی مرتے دم تک ہے، مرتے دم تک اپنا ہر حال انسان اپنے شیخ کامل اور اپنے طبیب روحانی کو بتاتا رہے اور اس کی ہدایت پر عمل کرتا رہے، یہاں تک کہ انسان کی زندگی ختم ہو جائے۔

عبث ہے جستجو بحر محبت کے کنارے کی
بس اس میں ڈوب جانا ہی ہے اے دل پار ہو جانا

اس راستہ میں انسان قدم رکھدے اور پھر اس میں یہ خواہش اور ہوس غلط ہے کہ میری اصلاح کب مکمل ہو گی؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

مکتبہ عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

جسمانی امراض میں صحت ہونے پر چھٹی مل جاتی ہے، لیکن امراض روحانی میں اگر صحت حاصل ہو جائے تب بھی آدمی اپنے شیخ سے تعلق رکھنے اور اس کی رہبری اور رہنمائی کا محتاج رہتا ہے، اس لئے کہ یہ تعلق تو مرتے دم تک کے

لئے ہے، بلکہ مرنے کے بعد بھی انشاء اللہ قائم رہے گا۔ بہر حال! طبیب روحانی دو کام کراتا ہے، ایک تو وہ کثرت ذکر اللہ کی پابندی کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر وہ انرجی اور وہ طاقت روحانی ہے جس سے انسان کے قلب کی بے شمار بیماریاں ختم ہوتی ہیں، ایمان میں جو کمزوری آتی ہے وہ بھی ذکر اللہ سے دور ہو جاتی ہے اور ان کمزوریوں کی وجہ سے جتنے بھی امراض روحانی اور بے اعتدالیاں پیدا ہوتی ہیں، وہ بھی ذکر اللہ کی قوت سے روحانی طاقت آنے کے بعد خود بخود ختم ہو جاتی ہیں اور دل کی صلاحیتیں سنورنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ شیخ کامل کی صحبت و برکت اور اس کی رہنمائی سے ہوتا ہے اور وہی نصائح اور ہدایات دیتا رہتا ہے کہ یہ کرو وہ کرو، اس سے پرہیز کرو، اب یہ کام کرو اور اب اتنا کرو اور یہ نہ کرو وغیرہ۔ کرنے والے تو اصل میں اللہ تعالیٰ ہی ہیں، جس طرح جسمانی صحت محض اللہ کے سوا کوئی دینے والا نہیں ہے، اسی طرح روحانی صحت بھی محض اللہ ہی عطا فرماتے ہیں اور وہی اپنے نام کی برکت اور اپنے نام کی توفیق عطا فرماتے ہیں، جب اللہ کے نام کی توفیق ہونے لگے اور کسی اللہ والے سے تعلق ہو جائے تو سمجھ لو کہ اب اصلاح و تربیت کا سفر شروع ہو گیا۔

کتاب اللہ اور رجال اللہ

ہمارے اندر جو سب سے بڑی کمزوری اور کمی پائی جاتی ہے، وہ یہی ہے کہ ہم کثرتِ ذکر اللہ کے پابند نہیں ہیں، اگر ذکر اللہ کے پابند ہیں تو پھر کسی طبیب روحانی سے ہمارا تعلق نہیں ہے، جب کہ اللہ پاک نے دنیا کے اندر دو سلسلے

جاری فرمائے ہیں: ایک سلسلہ کتاب اللہ کا، دوسرا سلسلہ رجال اللہ کا۔ کتابوں کا سلسلہ اللہ پاک نے نازل فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت، حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی اور دونوں جہاں کے سردار رحمت للعالمین جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن شریف نازل فرمایا، ان کے علاوہ دیگر صحائف بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائے۔

دوسرا سلسلہ اللہ کے بندوں کا ہے، جس میں سرِ فہرست سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءِ کرام، پھر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، پھر تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ پھر سلف صالحینؒ اور پھر اولیاء اللہ ہیں۔ یہ اللہ کے نیک اور مقرب بندوں کا سلسلہ ہے جو دنیا میں لوگوں کو نیک بنانے اور نیک بننا سکھانے کے لئے تشریف لائے۔

عملی نمونے زیادہ کتابیں کم

اللہ پاک نے کتابیں کم نازل فرمائی ہیں، نیک بندے زیادہ بھیجے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے زیادہ عمل کی ضرورت ہے اور باعمل لوگوں کی زیادہ ضرورت ہے اور باعمل لوگوں سے ہی علم عمل میں آتا ہے۔ اس آیت میں بھی اللہ پاک نے یہی ارشاد فرمایا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ

الصّٰدِقِیْنَ۔

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کے نیک اور سچے بندوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

سچے بندوں کے ساتھ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اگر باعمل لوگوں کی صحبت میں رہو گے تو تم بھی باعمل بن جاؤ گے، اور اگر صحبت اختیار نہیں کرو گے تو پھر دین پر عمل مشکل ہو جائے گا۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اللہ والوں کی صحبت ہی سے انسان باعمل بنتا ہے اور اللہ والا بنتا ہے۔ اسی بارے میں ایک اور شعر بھی ہے کہ۔

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے، اس سے قلب و روح بھی صحت مند رہتے ہیں اور انسان کو دین پر عمل کرنے کی بھی توفیق ہوتی ہے۔

جب سے اللہ پاک نے یہ دنیا پیدا فرمائی ہے، اس وقت سے یہ سلسلہ جاری ہے، حضور اقدس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک چلتا رہے گا۔ چنانچہ جب ہم اپنے اکابر پر نظر

ڈالتے ہیں تو وہاں بھی یہی چیز نظر آتی ہے۔ اکابر علماءِ دیوبند میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامّت مجدد الملّت، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، یہ تمام بزرگ بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی خدمت و صحبت میں رہے اور ان کی خدمت و صحبت میں رہ کر آفتاب و ماہتاب بن گئے۔

جگر مراد آبادیؒ کی توبہ کا واقعہ

جگر مراد آبادیؒ کا قصّہ یاد آیا جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت و صحبت کی برکت سے کیا سے کیا بن گئے تھے۔ اب بھی کچھ لوگ ہوں گے جنہوں نے جگر مراد آبادی کو دیکھا ہوگا، وہ ہندوستان کے مانے ہوئے شاعر تھے اور غزل کہنے میں اپنے وقت کے امام تھے۔ جگر صاحبؒ کے جاننے والے لوگوں میں سے حکیم الامّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ خاص حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، وہ ڈپٹی کلکٹر تھے، لیکن شکل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا فرشتہ ہیں، سفید ٹوپی، سفید لمبا کرتا، شلوار ٹخنوں سے اوپر، نورانی چہرہ اور تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے، کہاں ڈپٹی کلکٹر اور کہاں یہ شکل و صورت!!! ایک مرتبہ جگر صاحب کی خواجہ صاحب سے ملاقات ہوئی، جگر

صاحب نے کہا: خواجہ صاحب! یہ روپ کہاں سے لائے ہو، اتنا پیارا روپ آپ کو کہاں سے ملا ہے؟ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تھانہ بھون میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز ہیں، یہ سب ان کا صدقہ ہے۔ جگر صاحب نے کہا: خواجہ صاحب! میرا بھی حضرت تھانویؒ کی خدمت میں جانے کو بہت دل چاہتا ہے، مگر مجھ سے شراب نوشی کی ایک ایسی بُری عادت لگی ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے میں وہاں نہیں جاسکتا، کیونکہ میں وہاں جاؤں گا تو میں وہاں بھی شراب پئے بغیر نہیں رہ سکوں گا، یہ عادت تو میری زندگی کا لازمی حصّہ بن چکی ہے، اس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا، اور اس عادت کے ہوتے ہوئے میں حضرت تھانویؒ کے ہاں جانہیں سکتا، اگر اسی حالت میں جاؤں تو نامعلوم حضرت اجازت بھی دیں گے یا نہیں؟ اس لئے خواجہ صاحب! آپ مجھے یہ بتائیں کہ اگر میں اپنی شراب نوشی کی عادت رہتے ہوئے تھانہ بھون چلا جاؤں تو وہاں پر مجھے شراب پینے کی اجازت مل جائے گی؟ خواجہ صاحب نے مختصر اً جواب دیتے ہوئے فرمایا: بھئی مجھے تو معلوم نہیں اس بارے میں، میں خود کچھ نہیں کہہ سکتا، بظاہر شراب نوشی کی اجازت ملنا مشکل ہے، تاہم میں آپ کو پوچھ کر بتادوں گا۔

جب خواجہ صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ حضرت! جگر صاحب سے میری ملاقات ہوئی تھی اور وہ آپ کے پاس آنے کے لئے اپنی خواہش کا اظہار کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ میرے اندر شراب نوشی کی ایک ایسی بُری عادت ہے کہ

اس کے بارے میں نا معلوم حضرت کیا کہیں گے اور مجھے اس کے ساتھ آنے کی اجازت بھی دیں گے یا نہیں؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خواجہ صاحب! آپنے کیا جواب دیا؟ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ میں نے انہیں یہ کہدیا کہ بھئی خانقاہ میں شراب نوشی کی اجازت ملنا مشکل ہے۔ یہ سن کر حضرت تھانویؒ نے فرمایا ارے خواجہ صاحب! آپ نے صحیح جواب نہیں دیا، خیر کوئی بات نہیں، آئندہ اگر ملاقات ہو جائے تو میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافر کو اپنا مہمان بنا سکتے ہیں تو "جگر" تو پھر مسلمان ہے، میں اپنے گھر میں ایک کمرہ ان کے حوالے کر دوں گا، پھر وہ جانیں اور ان کا خدا جانے، ہاں البتہ خانقاہ میں شراب نوشی کی اجازت نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ وہ قومی ادارہ اور قومی امانت ہے، وہاں پر ایسی چیزوں کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

خواجہ صاحب نے یہ جواب جب جگر صاحب کو سنایا تو وہ زار و قطار رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہائے! مجھ جیسے نالائق کو بھی حضرت قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، "اللہ اکبر" بس پھر کیا تھا جگر صاحب حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آگے اس قصے میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ شیخ کامل کی خدمت و صحبت میں پہنچنے پر کیا سے کیا تبدیلی ہوتی ہے۔

حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضری اور چار دعائیں

بہر حال! جگر صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے

اور یہ عرض کیا کہ حضرت! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ میرے لئے چار دعائیں فرما دیجئے۔ پہلی دعا یہ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ شراب نوشی کی عادت مجھ سے چھڑوا دیں، میں نے پینے کو تو بے حساب پی ہے، اب یوم حساب کا ڈر ہے کہ آخرت میں کیا ہو گا؟ بس اللہ تعالیٰ مجھے اس گناہ سے نجات دیدیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب دل میں گناہ سے بچنے کا دھڑکا ہو اور خوف ہو تو پھر اس گناہ سے بچنے کے اسباب بھی حق تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں، مگر جو شخص گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھے اور گناہ سے بچنے کا ارادہ ہی نہ کرے تو پھر کیا اللہ تعالیٰ زبردستی توفیق دیدیں گے، ہرگز نہیں، اسی بات کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کٰرِهُوْنَ۔

کیا ہم زبردستی اپنی رحمت تمہارے چمٹادیں، حالانکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔

بہرحال! جگر صاحب شراب تو پیتے تھے مگر اللہ کا خوف، پکڑ اور حساب و کتاب کا ڈر لگا رہتا تھا، اور یہی ڈر حضرت تک انہیں لے کر آیا اور انہوں نے آکر سب سے پہلے شراب نوشی کے ترک کی دعا کرائی۔

دوسری دعا جگر صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کرائی کہ اللہ تعالیٰ مجھے داڑھی رکھنے کی توفیق عطا فرما دیں۔

تیسری دعا یہ کرائی کہ اللہ تعالیٰ مجھے حج بیت اللہ نصیب فرما دیں۔

چوتھی دعا یہ کرائی کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں میری مغفرت فرمادیں۔ یہ چار دعائیں جگر صاحب نے حضرت سے کرائیں۔ حضرت نے چاروں دعائیں سن کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھادیئے، اللہ والوں کی دعائیں دل سے نکلتی ہیں اور عرش تک پہنچنے والی ہوتی ہیں، ہماری طرح ان کی دعائیں نہیں ہوتیں۔ بہر حال! حضرت نے چاروں دعائیں فرمادیں اور حضرت کی اس دعا کا نقد اور فوری اثر یہ ظاہر ہوا کہ پہلی ہی ملاقات میں جگر صاحب نے شراب نوشی سے سچی توبہ کرلی۔ شراب نوشی چونکہ جگر صاحب کی بہت پُرانی عادت تھی اور شراب نوشی اچانک ترک کردینے سے انسان عام طور سے بیمار ہو جاتا ہے، یہی جگر صاحب کے ساتھ ہوا، وہ بھی بیمار پڑ گئے، اب چونکہ وہ ہندوستان کے مانے ہوئے شاعر تھے اور ہندوستان کی انہیں ایک قومی امانت سمجھا جاتا تھا، اس لئے بڑے بڑے ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹران کے علاج کے لئے جمع ہوگئے اور انہوں نے کہا کہ جگر صاحب! آپ کی بیماری کا واحد حل اور علاج یہی ہے کہ آپ کو تھوڑی بہت شراب پینا ہی پڑے گی ورنہ جان نکل جائے گی، ہاں آہستہ آہستہ چھوڑنے میں بیماری سے افاقہ ممکن ہے۔

یہ سن کر جگر صاحب نے ڈاکٹروں سے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر میں شراب پیتا رہوں گا تو مزید کتنے دن زندہ رہوں گا؟ ڈاکٹروں نے کہا کہ کم از کم اٹھ دس سال تک آپ شراب نوشی کرتے ہوئے مزید زندہ رہ سکتے ہیں، جگر صاحب نے کہا کہ "شراب پی پی کر دس سال تک قہر الٰہی میں زندہ رہنے سے بہتر ہے کہ میں شراب نہ پی کر دس سال پہلے ہی سایۂ رحمت میں مر جاؤں"

سبحان اللہ! کیا پیارا جواب ہے؟ جب انسان ایسا تہیہ کرلیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ضرور مدد فرماتے ہیں، پھر خدا کی شان دیکھئے کہ اللہ پاک نے انہیں اس بیماری اور گناہ سے صحت و نجات عطا فرمائی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ صحت مند ہوگئے اور جب تک کے لئے اللہ پاک نے انہیں زندگی عطا فرمائی وہ زندہ رہے، اس طرح شراب کی لعنت سے ان کی جان چھوٹ گئی۔ یہ سچی توبہ حضرت تھانویؒ کی دعا کی برکت سے حاصل ہوئی۔

اس کے بعد جگر صاحب حج کرنے کے لئے بھی تشریف لے گئے، چار پانچ مہینے وہاں رہے تو ایک مشت داڑھی بھی آگئی، وہاں تو انہیں آئینہ دیکھنے کا موقع نہ ملا، واپس آکر جہاز سے اترتے ہوئے آئینہ دیکھا تو خوشی اور شکر کے ملے جلے جذبات میں انہوں نے یہ شعر کہا۔

چلو دیکھ آئیں ماجرا جگر کا
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہوگیا

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دو دعائیں بھی قبول فرمالیں کہ حج بھی نصیب ہوگیا اور داڑھی بھی سنت کے مطابق آگئی۔ یہ شعر جگر صاحب نے جہاز سے اترتے وقت کہا تھا، اس کے بعد وہ بمبئی سے لکھنؤ پہنچے، اسٹیشن سے باہر نکل کر تانگے میں بیٹھے، جگر صاحب ہندوستان کے اتنے مقبول شاعر تھے کہ وہ تانگے کے پیچھے والے حصہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس کے اگلے حصہ میں تانگے والا یہی شعر پڑھ رہا تھا کہ۔

چلو دیکھ آئیں ماجرا جگر کا
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہوگیا

جگر صاحب نے جب تانگا چلانے والے سے یہ شعر سنا تو اندر ہی اندر زار و قطار رونے لگے کہ میں نے یہ شعر کہاں کہا تھا اور کہاں اس کی زبان سے یہی شعر ادا ہو رہا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میری تین تمنائیں تو پوری ہوگئیں کہ شراب نوشی کی عادت بھی چھوٹ گئی، حج بھی نصیب ہوگیا اور ایک مشت داڑھی بھی آگئی، اب چوتھی دعا کی میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری یہ آخری دعا بھی قبول فرما کر آخرت میں میری مغفرت بھی فرمادیں گے۔

اس واقعہ میں غور کیجئے! ایک ایسا شاعر جو غزل خواں ہو اور شراب نوشی کا عادی ہو، لیکن جب وہ شیخ کامل حکیم الامّت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچتا ہے تو کیسی کایا پلٹتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ باعمل لوگوں کی اور شیخ کی صحبت اختیار کی جائے، جب آدمی ایسوں کی صحبت میں رہتا ہے تو گناہ چھوٹنے لگتے ہیں، وہ دعائیں بھی کرتے ہیں، علاج بھی کرتے ہیں، نسخے بھی بتاتے ہیں اور ہدایات بھی دیتے ہیں۔ اس طرح انسان کے اخلاق میں آہستہ آہستہ تبدیلی آتی ہے، اعمال میں درستگی آتی ہے اور اس کی روح میں خصوصاً عقل، شہوت اور غصّے میں جو بے اعتدالی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

چار درہم کے بدلہ چار دعائیں

جگر صاحب کی چار دعاؤں کے قبول ہونے پر اسی قسم کا ایک اور واقعہ یاد آیا وہ عرض کرتا ہوں۔ یہ واقعہ نزھۃ البساتین میں لکھا ہوا ہے کہ ایک آزاد قسم کا آدمی تھا، اس کے کئی غلام تھے، جب وہ اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر شام کے وقت اپنے گھر آتا تو اپنے یاروں اور دوستوں کے ساتھ اپنے گھر میں مجلس لگاتا، سب لوگ کھانا کھاتے، پھر گانے باجے کی محفل ہوتی اور شراب نوشی کا دور چلتا، اس طرح وہ پوری رات عیش وعشرت میں گزارتے۔

ایک مرتبہ اسی طرح اس کے سب یار دوست جمع تھے، کھانا پکنے میں ابھی دیر تھی، اس لئے اس نے اپنے ایک غلام کو چار درہم دیئے اور اس سے کہا کہ تم مارکیٹ سے مغزیات وغیرہ لے آؤ، تاکہ کھانا پکنے تک اس کو کھاتے رہیں، جب کھانا پک جائے گا تو پھر کھانا کھالیں گے، وہ غلام چار درہم لے کر مارکیٹ کی طرف چلا، مارکیٹ سے پہلے درمیان میں حضرت حمّاد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ہوتی تھی، جب یہ غلام وہاں سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ مجلس ہو رہی ہے لیکن بیان نہیں ہو رہا، حضرت خاموش بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک سائل حضرت کی مجلس میں کھڑا ہوا ہے، غلام یہ ماجرا دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا، اس نے دیکھا کہ حضرت یہ فرما رہے ہیں کہ بھئی یہ سائل چار درہم مانگ رہا ہے، میرے پاس تو چار درہم نہیں ہیں، اگر حاضرین مجلس میں کوئی شخص اس سائل کو چار درہم دیدے تو میں اس کے بدلے اس کو چار دعائیں دے دوں گا۔ ''اللہ اکبر'' غلام یہ

سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا، اس نے موقع غنیمت جانا۔ غور کیجئے کہ جب اللہ پاک کا فضل ہوتا ہے تو کس طرح ہوتا ہے، جگر صاحب پر بھی اللہ کا فضل ہوا اور اس غلام پر بھی اللہ پاک کا فضل ہوا اور یہ فضل اللہ والوں کی صحبت سے ہوا۔

بہر حال! یہ غلام مارکیٹ جانے کی بجائے آگے بڑھا اور وہ چار درہم جو اس کے آقا نے اس کو مغزیات لانے کے لئے دیئے تھے، سائل کے ہاتھ میں رکھ کر حضرت حمّاد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جاکر بیٹھ گیا اور کہا کہ حضرت! میں نے آپ کے کہنے کے مطابق چار درہم اس سائل کو دے دیئے ہیں، اب آپ چار دعائیں مجھے دے دیجئے۔

حضرت حمّاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بتاؤ پہلی دعا کیا کروں؟ اس غلام نے کہا کہ حضرت میں غلام ہوں، دعا کر دیجئے کہ اللہ پاک مجھے آزادی کی نعمت عطا فرمادے، حضرت نے دعا فرمادی یا اللہ! اس کو آزادی عطا فرما۔ حضرت نے دوسری دعا کے بارے میں پوچھا، غلام نے کہا: یہ دعا فرمادیں کہ اللہ پاک مجھے ان چار درہم کا نعم البدل عطا فرمادیں ''سبحان اللہ'' کیسی پیاری دعا ہے، حضرت نے یہ دعا بھی کر دی۔ تیسری دعا کے متعلق حضرت نے پوچھا تو غلام نے کہا کہ میرا آقا اللہ تعالیٰ سے اور آخرت سے غافل ہے اور عیش وعشرت میں مبتلا ہے، یہ دعا فرمادیں کہ اللہ پاک اس کو توبہ کی توفیق عطا فرمادیں، حضرت نے یہ دعا بھی فرمادی۔ پھر حضرت نے چوتھی اور آخری دعا کے متعلق دریافت فرمایا تو غلام نے کہا کہ چوتھی دعا یہ کر دیں کہ اللہ پاک میری، آپ کی، میرے آقا کی، اس کے گھر والوں کی اور تمام حاضرین کی مغفرت فرمادیں، حضرت نے یہ دعا

بھی فرمادی۔

دعاؤں کی قبولیت

یہ غلام چاروں دعائیں کرا کے یہیں سے واپس گھر آیا، اس کا آقا بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا کہ مارکیٹ تو قریب ہی ہے، میرا غلام کہاں چلا گیا اور بقیہ تمام لوگ بھی بے چینی سے اس کے منتظر تھے، جیسے ہی وہ غلام دور سے آتا ہوا دکھائی دیا تو آقا نے دیکھا کہ اب بھی خالی ہاتھ آتا نظر آرہا ہے، قریب آتے ہی آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ اتنی دیر میں آیا اور اب بھی خالی ہاتھ آیا، کہاں رہ گیا تھا، کیا معاملہ ہو گیا؟ اس غلام نے جواباً کہا: حضور عجیب و غریب واقعہ ہو گیا ہے، آپ غصہ نہ کریں، پہلے میری بات سن لیجئے پھر جو چاہے کر لیجئے گا۔ آقا نے کہا بتاؤ کیا بات ہو گئی؟ غلام نے کہا: حضور بات یہ ہے کہ میں آپ کے حکم کے مطابق مارکیٹ جا رہا تھا کہ راستے میں حضرت حمّاد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک سائل کھڑا تھا اور حضرت یہ فرما رہے تھے کہ جو اس کو چار درہم دے گا، میں اس کو چار دعائیں دوں گا تو حضور میں **نے چاروں درہم اس کو دے دیئے اور میں چار دعائیں لے کر آیا ہوں۔**

آقا نے کہا جلدی بتا، کون کونسی دعائیں کروائی ہیں؟ چونکہ دراہم اسی آقا کے تھے اس لئے اس کو یہ اشتیاق ہوا کہ مجھے چار درہم کے بدلے جو دعائیں ملی ہیں، وہ کون کونسی ہیں۔ غلام نے کہا کہ پہلی دعا یہ کرائی کہ اللہ پاک مجھے آزادی عطا فرمادے، آقا نے فوراً کہا کہ جا آج سے تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔

دوسری دعا کے متعلق آقا نے پوچھا تو غلام نے کہا: دوسری دعا یہ کرائی ہے کہ اللہ پاک مجھے ان چار درہم کا نعم البدل عطا فرمادیں، آقا نے کہا کہ میرے خزانے سے چار ہزار درہم گن کر لے لے، میری طرف سے یہ تجھے ہدیہ ہیں۔

تیسری دعا کے بارے میں آقا نے پوچھا تو غلام نے کہا: تیسری دعا یہ کرائی کہ اللہ پاک آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو توبہ کی توفیق عطا فرمادے، تو آقا نے یہ سن کر کہا تو گواہ رہ، میں نے اللہ کے واسطے توبہ کرلی۔ "اللہ اکبر" اور پھر اس آقا نے اندر جاکر اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے کہا کہ بھئی میں نے تو توبہ کرلی ہے، اب اگر تم میرے سچے اور مخلص دوست ہو تو تم بھی توبہ کرلو، انہوں نے کہا کہ جہاں تم وہاں ہم، ہم تیرے ساتھی ہیں، جب تو نے توبہ کی تو ہم نے بھی توبہ کرلی۔ "اللہ اکبر"

آقا نے کہا: چوتھی دعا بتا، اس غلام نے کہا: چوتھی دعا یہ ہے کہ اللہ پاک میری، آپ کی، آپ کے گھر والوں کی، حضرت کی اور حضرت کی مجلس کے تمام حاضرین کی مغفرت فرمادے، یہ سن کر آقا نے کہا: یہ میرے بس کی بات نہیں ہے، یہ صرف خالق کائنات کے اختیار میں ہے اس کے علاوہ کسی کے بس میں نہیں۔

مغفرت و بخشش

لکھا ہے کہ رات کو جب یہ آقا سویا تو خواب میں منجانب اللہ اس سے یہ کہا گیا کہ جب تم نے وہ تینوں کام کرلیے جو تمہارے اختیار میں تھے تو کیا ہم وہ

کام نہیں کریں گے جو ہمارے اختیار میں ہے۔ "اللہ اکبر" لہٰذا ہم نے حضرت حمّاد کی، ان کی مجلس کے تمام حاضرین کی، تمہاری، تمہارے غلام کی اور تمہارے سارے دوستوں کی مغفرت کر دی۔

اہل اللہ کی مجالست کا مقصد اصلاح ہے

بہر حال! اللہ والوں کی صحبت میں کبھی اس طرح سے دعائیں بھی مل جاتی ہیں، لیکن ان کی خدمت و صحبت میں رہ کر اصل چیز کرنے کی یہ ہے کہ انسان اپنے باطن کی اصلاح اور تزکیہ کی طرف ہی متوجہ رہے، صرف دعاؤں ہی کے لئے ان کی خدمت و صحبت میں نہ جائے کہ حضرت دعا کر دیجئے کہ میری شادی ہو جائے، میرا کارخانہ چل جائے، میرا کاروبار کھل جائے، میرا قرضہ اتر جائے، میں مقدمے میں جیت جاؤں وغیرہ۔ اللہ معاف فرمائے آج کل بعض لوگ اللہ والوں کے پاس صرف اسی لئے جاتے ہیں کہ ان سے اپنے دنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے دعائیں کرائیں، کیونکہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بٹھا رکھا ہے کہ اگر تمہاری مصیبتیں دور نہیں ہو رہی ہیں تو کسی اللہ والے سے بیعت ہو جاؤ، تمہاری ساری پریشانیاں اور مصیبتیں دور ہو جائیں گی، یہ بالکل غلط سوچ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی مریض کو یہ مشورہ دے کہ تو کسی وکیل سے دوستی کر لے یا کسی انجینئر کی شاگردی اختیار کر لے تو تیری بیماری صحیح ہو جائے گی۔ بھئی انجینئر یا وکیل کا جسمانی بیماریوں سے کیا تعلق؟ کسی ماہر طبیب یا حکیم کے پاس جانے کا مشورہ دیتے تب تو کوئی معقول بات ہوتی، جیسے یہ

نا معقول ہے، ایسے ہی یہ بھی نا معقول بات ہے کہ اللہ والوں سے بیعت ہو جاؤ مصیبتیں دور ہو جائیں گی۔ اللہ والے تو طبیب روحانی ہیں، وہ تو تمہاری دینی رہنمائی کر سکتے ہیں، تمہیں مشورہ دے سکتے ہیں تاکہ تمہارے باطن کی بیماریاں دور ہوں، مثلاً وہ تمہیں غصہ، ریا، تکبر، حسد اور کینہ وغیرہ کا علاج بتائیں گے، یہ نہیں کہ ان کے پاس ایسے نسخے موجود ہیں کہ وہ ایک تعویذ دیں گے جس سے بچوں اور بچیوں کی شادیاں ہو جائیں گی، کارخانے چل جائیں گے، دکانیں چل جائیں گی، ملازمتیں فوراً مل جائیں گی، ترقی بھی روزانہ ہوگی وغیرہ وغیرہ، تعویذوں اور نسخوں سے ایسا نہیں ہوتا، اگر ایسا ہونے لگے تو پھر گھر بیٹھے بیٹھے ہی آدمی پوری کی پوری حکومت و سلطنت سنبھال لے۔

ہاں یہ بات ممکن ہے کہ اللہ والوں سے آدمی کا تعلق محض اللہ کی رضا اور واقعی اخلاص سے ہو تو جس طرح وہ دینی رہنمائی کرتے ہیں، اسی طرح وہ دعائیں بھی کرتے ہیں اور ان کی دعائیں قبول بھی ہو جاتی ہیں۔ لیکن صرف اسی کام کے لئے آدمی ان کے پاس جاکر پڑ جائے اور اپنی اصلاح کی فکر نہ ہو، یعنی نہ اپنی اصلاح کرنی ہے، نہ اپنے اعمال کی درستگی کرنی ہے، نہ گناہوں کو چھوڑنا ہے، نہ ٹی۔ وی، وی سی آر چھوڑنا ہے، نہ شلوار ٹخنوں سے اوپر کرنی ہے اور نہ عورتوں کو بے پردگی سے توبہ کرنی ہے، ان کے علاوہ اور بہت سارے گناہ برابر جاری ہیں، ان کو چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں، بس حضرت کے ہاتھ چومے جارہے ہیں اور روزانہ رات دن حاضری لگائی جارہی ہے، کس مقصد کے لئے؟ کہ حضرت کوئی ایک نسخہ بتادیں یا ایسا وظیفہ بتادیں یا ایسی دعا بتادیں یا ایسی دعا خود

ہی کر دیں کہ بیڑا پار ہو جائے، گویا تمام دعائیں دنیا کے مطلب کی ہیں، اپنی اصلاح کی اور آخرت سنوارنے کی دعا بالکل نہیں ہے، اگر ہے تو برائے نام ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کسی جسمانی مریض کو ڈاکٹر کی بجائے وکیل سے جوڑ دیا جائے کہ وہاں جا، وہاں تیرا مطلب پورا ہو جائے گا، تو بھئی ایسا نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے عقل سلیم عطا فرمائے اور فہم صحیح بھی عطا فرمائے۔ آمین۔

قرآنِ کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمیں دعوت دے رہا ہے کہ ہم اپنے باطن کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور اس کا جو صحیح طریقہ ہے اس کو اختیار کریں، جس میں ہم سے بہت کوتاہی ہو رہی ہے کہ اپنے باطن کی اصلاح اور درستگی کے لئے کسی اللہ والے سے ہمارا رابطہ نہیں ہے، لہٰذا سب سے پہلا کام یہی ہے کہ ہم کسی اللہ والے سے رابطہ قائم کریں۔ اور اس رابطہ کا مطلب سمجھ لیں کہ وہ کیا ہے؟

اصلاح کا صحیح طریقہ

رابطہ کا مطلب عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہے کہ اللہ والوں کے پاس جاؤ اور جاتے ہی بیعت ہونے کی درخواست کر دو۔ یہ مطلب نہیں ہے، اصلاح و تربیت کی راہ میں بیعت ہونا مستحب ہے، جبکہ ظاہر و باطن کی اصلاح فرض عین ہے۔ بلکہ رابطہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی اللہ والے کے پاس جائے اور اس سے کہے کہ حضرت مجھ سے فلاں فلاں گناہ ہوتے ہیں، ظاہر کے فلاں فلاں

گناہوں میں اور باطن کے فلاں فلاں گناہوں میں مبتلا ہوں، ظاہر و باطن کے فلاں فلاں فرائض و واجبات میں مجھ سے کوتاہیاں ہو رہی ہیں، لہٰذا آپ مجھے کوئی ایسی تدبیر بتائیں کہ مجھ سے یہ کوتاہیاں دور ہو جائیں اور ظاہر و باطن کے جو فرائض و واجبات ہیں، ان کو سنّت اور شریعت کے مطابق ادا کرنے والا بن جاؤں، اور جتنے بھی ظاہر و باطن کے کبیرہ گناہ ہیں، ان سے بچنے کی توفیق ہو جائے۔

اس کے لئے پہلے اُن سے رابطے کی اجازت لی جاتی ہے، اجازت لینے کے بعد پھر انسان ٹیلیفون کے ذریعے یا اکثر و بیشتر خط و کتابت کے ذریعے اپنا ایک ایک حال ان کو بتاتا ہے، وہ اللہ والے اس کو مشورہ دیتے ہیں اور یہ مشورہ لے کر اس پر عمل کرتا ہے اور عمل کر کے دوبارہ صورت حال سے آگاہ کرتا ہے۔ اس کو اصلاحی تعلق کہتے ہیں۔

اپنے حالات جاننے کے لئے انسان صبح سے شام تک جو زندگی گزارتا ہے، اس میں غور و فکر کر کے اپنا جائزہ لیتا رہے کہ میرا معاملہ کس کے ساتھ کیسا ہوتا ہے، اس میں انسان کے معاملات اچھے بھی ہوتے ہیں اور غلط بھی، تو جو غلط طرز عمل ہے اس سے بچے اور جس سے نہ بچ سکتا ہو اس پر اپنے شیخ کو مطلع کرے اور مطلع کرنے کے بعد ان سے رہنمائی اور ہدایت حاصل کرے۔

اس طرح کرتے ہوئے جب ایک زمانہ گزر جاتا ہے اور انسان کی طبیعت کے اندر خیر غالب آجاتی ہے اور شر مغلوب ہو جاتا ہے تو اعتدال بھی آجاتا ہے اور اس بندے کا اللہ تعالیٰ سے بھی تعلق بڑھ جاتا ہے، ایسے موقع پر کبھی شیخ خود

بھی کہہ دیتا ہے کہ اب تمہیں بیعت کر لیتا ہوں اور کبھی مرید خود درخواست پیش کر دیتا ہے کہ حضرت! اب مجھے داخل سلسلہ فرما لیجئے تاکہ اس سلسلے کی برکات بھی مجھے حاصل ہو جائیں، تو اس طرح وہ بیعت کر لیتے ہیں، لیکن اس کی کوئی مدّت مقرر نہیں ہے کہ چار سال لگیں گے یا پانچ سال لگیں گے یا چھے سال لگیں گے۔ اور یہ عمل صرف مستحب کا درجہ رکھتا ہے کہ کوئی زندگی بھر نہ کرے تو گناہ نہیں ہوگا، اصل چیز تو اصلاحی رابطہ اور اصلاحی تعلق ہے جو ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمارے ظاہر و باطن کی اصلاح فرمائیں اور اپنی محبّت سے ہمارے قلوب کو سرشار فرمائیں اور اپنے ماسوا کی محبّت سے پاک فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

والدین کے حقوق

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

والدین کے حقوق اور ان کی اطاعت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَنَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا

أَمَّا بَعْدُ!۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط

(سورۃ بنی اسرآئیل، آیت ۲۳)

اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق

میرے قابل احترام بزرگو اور محترم خواتین! اللہ جل شانہ نے ہمیں جو احکام دیئے ہیں، اُن کی دو قسمیں ہیں، بعض احکام حقوق اللہ کہلاتے ہیں اور بعض احکام حقوق العباد کہلاتے ہیں۔ حقوق العباد اور حقوق اللہ یہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے احکام ہیں اور دونوں ہی ہمارے دین کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بڑی تفصیل ہے جیسے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، حج کرنا، زکوٰۃ دینا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا، فسق و فجور سے بچنا اور دیگر فرائض و واجبات کو ادا کرنا۔

اسی طرح حقوق العباد کی بھی بڑی تفصیل ہے، جیسے ماں باپ کے حقوق، اولاد کے حقوق، شوہر کے حقوق، بیوی کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، اپنے ماتحت نوکروں اور غلاموں کے حقوق، اور اپنے سے درجہ میں جو اوپر ہوں ان کے حقوق ادا کرنا، مثلاً جیسے ہمارا کوئی افسر ہے، یا ہمارا کوئی اور ذمہ دار ہے، کوئی صاحبِ منصب ہے، اس کے حقوق شریعت کے مطابق ادا کرنا، یہ حقوق العباد کہلاتے ہیں۔

حقوق کی ادائیگی دین کا حصہ ہے

حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، یہ سب شریعت کا حصہ ہیں، اور ان سب کو ادا کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اور ان سب کو ادا کرنا سراپا دین ہے۔ ہمارا دین صرف نماز روزہ تک محدود نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنا جس میں اس کی نافرمانی سے بچنا بھی ہے، اور اللہ پاک نے اپنے بندوں کے جو حقوق مقرر فرمائے ہیں، شریعت کے مطابق ان کو ادا کرنا بھی دین کا حصہ ہے۔ اور جب تک آدمی اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادا نہ کرے، اس وقت تک وہ پورا مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی کامل رضا حاصل ہونا مشکل ہے۔ لہٰذا ہمیں دین کے تمام تقاضوں کو اپنے عمل میں لانے کی فکر کرنی چاہئے۔

اداءِ حقوق کی فکر

نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے دیگر حقوق کو بھی ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے بندوں کے حقوق کو بھی ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، بلکہ بعض اعتبار سے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا معاملہ زیادہ اہم ہے اور اس کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اگر کوئی کوتاہی ہوئی تو اللہ

تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی کی قوی امید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں، وہ تو بندے کے کہے بغیر ہی اس کی کوتاہیاں معاف کرتے رہتے ہیں، اگر بندہ ان سے معافی مانگے اور سچی توبہ کرے اور توبہ کے جو آداب و شرائط ہیں، انہیں بجا لائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

لیکن اگر کسی بندہ کی کوتاہی اور حق تلفی کی یا اس پر ظلم کیا یا کوئی زیادتی کی تو اس کی اس وقت تک توبہ مکمل نہیں ہوگی جب تک وہ بندہ معاف نہ کر دے جس کی حق تلفی کی گئی ہے، لہٰذا جب تک اس سے معافی نہ مانگیں یا اس کا حق ادا نہ کریں، اس وقت تک توبہ مکمل نہ ہوگی۔

تین رجسٹر

اس بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا ایک قاعدہ اور ضابطہ مقرر فرمایا ہے جو بہت مضبوط ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قیامت کے دن تین رجسٹر ہوں گے۔

❁...... ایک رجسٹر ایسا ہوگا کہ اس میں جو کچھ لکھا ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے ہرگز ہرگز معاف نہیں فرمائیں گے، العیاذ باللہ! اللہ تعالیٰ ذرہ برابر اس میں رعایت اور نرمی کا معاملہ نہیں فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

۞ ...... ایک رجسٹر ایسا ہوگا کہ اس میں جو کچھ لکھا ہوگا، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو معاف فرما دیں گے، چاہیں گے تو بدلہ لے لیں گے، اس میں معافی کی امید بہت زیادہ ہے، اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی درگزر اور نرمی کا معاملہ فرمائیں گے۔

۞ ...... تیسرا رجسٹر ایسا ہوگا کہ اس میں جو اعمال درج ہوں گے اور جو کوتاہیاں لکھی ہوئی ہونگی، اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ پورا پورا دلوائیں گے۔

پہلے رجسٹر سے مراد یہ ہے کہ اس میں بندوں کا کفر وشرک لکھا ہوا ہوگا، العیاذ باللہ، مثلاً اگر کسی بندہ نے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ٹھرایا ہوگا یا اس نے دنیا کے اندر کفر اختیار کیا ہوگا، یعنی دنیا میں وہ کافر تھا اور اسی کفر وشرک کی حالت میں وہ دنیا میں رہا اور مرا، تو اس کے نامہ اعمال میں کفر وشرک لکھا ہوا ہوگا اور اس کی بخشش نہیں ہوگی، مغفرت نہیں ہوگی، وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

دوسرا رجسٹر وہ ہوگا جس میں بندوں کی اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہیاں لکھی ہوئی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو فرائض واجبات بندوں پر مقرر کئے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ، ان میں بندوں نے جو کوتاہیاں کی ہوں گی وہ اس رجسٹر میں درج ہوں گی۔ اس رجسٹر کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو سزا دیں گے اور چاہیں گے تو معاف فرما دیں گے، درگزر فرمادیں گے۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جو حقوق

وابستہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں رعایت فرمائیں گے اور درگزر سے کام لیں گے، اور معاف فرمادیں گے، تاہم مواخذہ بھی فرما سکتے ہیں۔

تیسرا رجسٹر وہ ہوگا جس کے اندر بندوں کے حقوق میں جو کوتاہیاں کی گئی ہیں وہ لکھی ہوئی ہوں گی، حقوق العباد کی کوتاہیاں اور نافرمانیاں اس میں درج ہوں گی، کسی دن کسی انسان کو ناحق مار دیا، کسی کا ناحق پیسہ کھالیا، کسی کی بے عزتی کر دی، کسی پر تہمت لگا دی، کسی پر الزام لگا دیا، کسی کو پریشان کر دیا، کسی کو تکلیف پہنچا دی، کسی کو ستایا، یہ ہیں بندوں کے حقوق کی کوتاہیاں، اس قسم کی کوتاہیاں اس رجسٹر میں لکھی ہوئی ہوں گی۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا عام دستور یہ ہوگا کہ وہ خود ان کو معاف نہیں فرمائیں گے بلکہ بدلہ دلوائیں گے یا جس بندہ کی اس میں حق تلفی لکھی ہوئی ہے، جب وہ بندہ معاف کر دے گا تو اللہ تعالیٰ بھی معاف فرما دیں گے۔ اور اگر وہ کہے کہ میں اپنا بدلہ لوں گا کہ اس نے میرے پیسے کھائے تھے، میری زمین دبائی تھی، اس نے میری بے عزتی کی تھی، میرے ساتھ بدتمیزی کی تھی، مجھے ستایا تھا، پریشان کیا تھا، دل دکھایا تھا، میں تو اس کا بدلہ لوں گا، مجھے بدلہ دلوائیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو بدلہ دلوائیں گے، لہٰذا جب تک صاحب حق معاف نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائیں گے، اور اگر وہ بدلہ مانگے گا تو اللہ تعالیٰ پورا پورا بدلہ دلوائیں گے، اس بارے میں اللہ تعالیٰ رعایت نہیں فرمائیں گے۔ یہ تین قسم کے رجسٹر ہیں جو قیامت کے دن ہوں گے، اس لئے بندوں کے حقوق کے اندر کوتاہی کرنا بڑی خطرناک بات ہے۔ لہٰذا جس بندہ کی حق تلفی کی ہے، اس کا حق ادا

کرے یا اس سے معافی مانگے اور اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیں گے اور اس طرح اس کی توبہ قبول ہو جائے گی، غرض یہ کہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا زیادہ اہتمام اور خیال کرنا چاہئے۔

والدین کے حقوق اور ہماری کم علمی

بندوں کے حقوق میں سے آج میں آپ کے سامنے والدین کے کچھ حقوق کے بارے میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ عام بندوں میں ان کا درجہ سب سے اونچا ہے، ان کا مقام سب سے بلند ہے، اس لئے ان کے حقوق کی ادائیگی کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔ ماں باپ کے حقوق ادا نہ کرنے کا آج عام مرض پایا جاتا ہے، ایک تو ماں باپ کے حقوق کا عام طور پر علم ہی نہیں ہے، اور علم اس لئے نہیں ہے کہ علماء صلحاء اور نیک لوگوں کی صحبت میں آنا جانا نہیں ہے، کیونکہ نیک مجلسوں میں نیک باتوں کا تذکرہ ہوتا ہے اور اس میں جہاں دین کی اور باتوں کا تذکرہ ہوتا ہے، حقوق العباد کا تذکرہ بھی آتا رہتا ہے تو نیک مجلس میں آئیں تو سنیں، اور سنیں تو پتہ چلے اور عمل ہو سکے۔

دوسرے دین کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق بھی بہت کم ہے، اگر آدمی کسی نیک مجلس مٗیں نہ جائے لیکن دین کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کا معمول رکھے تو دین کی کتابوں میں یکے بعد دیگرے دین کی تمام باتوں کا تذکرہ ہوتا ہے، چنانچہ جہاں نماز روزہ کے بارے میں کتابیں ہیں، وہاں اردو میں والدین کے حقوق کے بارے میں بھی کتابیں ہیں۔ بہرحال مذکورہ دو باتوں کی وجہ

سے بعض لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ والدین کے کیا حقوق ہیں، اس کی وجہ سے والدین کے حقوق میں کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں۔

ایک تیسری وجہ اور بھی ہے کہ ہمارے معاشرہ میں دین غالب نہیں ہے، بلکہ دین سے آزادی اور یورپ کی تقلید اور مغرب کا اثر ہمارے اوپر زیادہ حاوی ہے، تھوڑا بہت جو دین کا شوق رکھنے والے ہیں، وہ بے چارے تو کسی شمار میں نہیں ہیں، لیکن مجموعی طور پر اگر ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیں تو بس مغربی ماحول میں پل رہے ہیں اور جوان ہو رہے ہیں اور بوڑھے ہو رہے ہیں اور مر رہے ہیں، اس ماحول کے اندر تو ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کا تصور ہی نہیں، اس کی بنیاد تو خودغرضی پر ہے، دنیاداری پر ہے، حبِ دنیا پر ہے، اللہ کی نافرمانی اور فسق و فجور پر ہے، جس معاشرہ کی بنیاد یہ ہو وہاں ماں باپ کے مقام کا کیا تصور ہوگا اور ان کے ساتھ کسی اچھے سلوک کا کیا خیال ہوگا، وہاں اچھا سلوک کرنے، خدمت کرنے، اطاعت کرنے کا تصور ہے ہی نہیں، ایسے ماحول میں تو بڈھے خانہ بنے ہوئے ہیں، جب ماں باپ کسی قابل نہ رہیں تو انہیں بڈھے خانہ میں داخل کردو، وہاں خود ہی ان کی خدمت ہوتی رہے گی، اور اگر خدمت نہ ہوئی تو مر جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے، اولاد کا ماں باپ سے کیا واسطہ اور ماں باپ کون ہوتے ہیں؟ العیاذ باللہ! مغرب زدہ معاشرہ میں ماں باپ کے حقوق ادا کرنے اور ان کی عزت کرنے کا کوئی تصور نہیں، اُسی کا ہمارے یہاں غلبہ ہو رہا ہے، اس وجہ سے بھی ماں باپ کے ساتھ آج بڑی زیادتیاں ہوتی ہیں اور ان کے حقوق میں بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں اور ان

کی نافرمانیاں عام ہیں۔

جمع ہونے کا مقصد

اس وقت ہمارے یہاں جمع ہونے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنا جائزہ لیں، اور جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہم سے اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہورہی، ہم اس سلسلہ میں دین سے کہیں بے خبر تو نہیں، اور ہم اپنے ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کہیں غافل تو نہیں، اگر ہوں تو ہم اپنی اصلاح کرلیں، اپنی غفلت دور کرلیں، اپنی کوتاہی دور کرلیں اوران کو دور کر کے اپنے ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کریں۔ اوراب تک اگر ہم نے ان کی حق تلفی کی ہے، ان کو ستایا ہے، تکلیف دی ہے، پریشان کیا ہے، اور ابھی وہ زندہ ہیں، تو ان سے معافی مانگ کران کو راضی کرلیں۔

اور اگر وہ وفات پا چکے اور اب ہمیں معلوم ہوا کہ ان کا اتنا بڑا مقام تھا اور اتنا اونچا درجہ تھا اور ان کو ستانے کا یہ عذاب اور وبال تھا اور ہم ان کو ستا چکے ہیں تو اب ہم کیا کریں؟ تو پہلے ایک پیارا شعر سن لیجئے ؎

تو ملے تو کوئی مرض نہیں

نہ ملے تو کوئی دوا نہیں

اللہ تعالیٰ سے اگر کسی کا رابطہ ہو جائے تو ہر مشکل حل ہے، پھر کوئی مرض مرض نہیں، ہر مشکل کا حل موجود ہے، ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی نافرمان اولاد کے لئے ماں باپ کی خدمت کرنے کا راستہ موجود ہے، وہ نافرمان اولاد

جس نے زندگی بھر ان کو ستایا اور پریشان کیا، اور ماں باپ دنیا سے رخصت ہو گئے، اب اولاد کو احساس ہوا کہ ہائے ہم نے یہ کیا کیا؟ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، ہمیں تو بجائے ستانے کے دل و جان سے ان کی خدمت کرنی تھی اور ان کی دعائیں لینی تھی، تو اس کا حل یہ ہے کہ اب ان کے لئے دل و جان سے استغفار کرنے میں لگ جاؤ، ان کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتے رہو، بخشش کی دعائیں کرتے رہو، ایصالِ ثواب کرتے رہو، نفلی عبادات کا ثواب ان کو پہنچاتے رہو اور زندگی بھر کے لئے اس کو اپنا وظیفہ اور معمول بنالو، پھر انشاء اللہ تعالیٰ جب قیامت میں اٹھو گے تو والدین کے فرمانبرداروں میں اٹھائے جاؤ گے۔

اہم بات جو دل سے دل میں اتری

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آئی ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب میں لکھا بھی ہے اور زبانی بھی میں نے سنا ہے۔

فرماتے تھے کہ جب میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں والد صاحب کے پاس ہی موجود تھا، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا (ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا) کہ محمد شفیع! میں ایک بات کہتا ہوں، میں نے کہا فرمائیے! فرمایا کہ "بھول تو سب جایا کرتے ہیں مگر تم ذرا جلدی مت بھولنا" اللہ اکبر!! کیسی اہم بات ارشاد فرمائی۔ چنانچہ ہمارے حضرت قدس سرہٗ اخیر عمر میں فرمایا

کرتے تھے جبکہ حضرتؒ کی عمر اسی (۸۰) سال ہوگئی تھی، فرماتے تھے کہ میرے والد صاحبؒ نے یہ بات آج سے چالیس سال پہلے فرمائی تھی، لیکن آج بھی یہ میرے ذہن میں اس طرح نقش ہے جیسے ابھی فرمائی ہو، کیونکہ اس کا عنوان ہی ایسا عجیب وغریب اور دل میں اتر جانے والا ہے جو ہمیشہ یاد رہتا ہے اور ان کے لئے مغفرت کی دعائیں اور ایصالِ ثواب ہوتا رہتا ہے۔

نیک اولاد پر والدین کا حق

اگر کسی اولاد نے ماں باپ کی فرمانبرداری کی ہے، تب بھی ان کا حق ہے کہ ساری زندگی ان کو یاد رکھے۔اور دو کام تو ایسے ہیں کہ آدمی ماں باپ کا حق ادا کرنے کے لئے ان کی زندگی ہی میں شروع کرسکتا ہے۔

(۱) ایک کام یہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد روزانہ ۱۲ مرتبہ ''قل ہو اللہ'' پڑھ کر ان کو ایصال ثواب کرنے کا معمول بنالیا جائے، چاہیں والدین زندہ ہوں یا وفات پاچکے ہوں، اس لئے کہ ایصال ثواب زندہ کے لئے بھی ہوسکتا ہے جیسے مردہ کے لئے ہوسکتا ہے، یہ تو ایک ہدیہ ہے، اور ہدیہ جیسے انسان زندہ کو دے سکتا ہے مردہ کو بھی دے سکتا ہے، ایسے ہدیہ میں مردہ اور زندہ دونوں برابر ہیں، اور اگر وفات پاچکے ہوں تو پھر تو یہ معمول ہونا ہی چاہئے، بارہ مرتبہ ''قل ہو اللہ احد'' پڑھ کر یوں کہہ دیا کرے کہ ''یا اللہ! اس کا ثواب میرے والدین کی روح کو پہنچا دیجئے''۔

اور اگر والدین زندہ ہوں تو ان کو ثواب پہنچانے کے لئے یہ الفاظ

کہدیا کریں کہ ''یا اللہ میرے والد اور میری والدہ کو اس کا ثواب پہنچا دیجئے۔

۱۲ رمرتبہ سورۂ اخلاص کا ثواب

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو آدمی فجر کی نماز کے بعد بارہ مرتبہ قل هو اللّٰه احد پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے چار مرتبہ قرآن شریف ختم کرنے کا ثواب عطاء فرماتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بارہ مرتبہ قل هو اللّٰه احد پڑھکر والدین کو ثواب پہنچائے گا تو والدین کی خدمت میں اتنا ثواب پہنچے گا۔

والدین کے لئے دعا

(۲) دوسرا کام یہ ہے کہ ان کے لئے یہ دعا کرلیا کریں!

یا اللہ! میرے والدین کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما۔

قرآن شریف کی یہ دعا بھی بڑی پیاری دعا ہے:

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْراً۔

اے اللہ! ان دونوں (والدین) پر اس طرح رحم فرما جس طرح شفقت کے ساتھ انہوں نے میری پرورش کی۔

یہ دعا جو اوپر گزری کہ یا اللہ! میرے والدین کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما، اس کے بارے میں حدیث شریف میں یہ فضیلت آئی ہے کہ جو شخص ان الفاظ سے کسی بھی مرحوم مسلمان کے لئے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مرنے والے

کی قبر میں پہاڑوں کے برابر ثواب پہنچا دیتے ہیں۔

اس دعا سے تو دعا کرنے والے کے مرحوم ماں باپ کی عید بقرہ عید آجائے گی اور وہ کہیں گے کہ ہمارا یہ بیٹا تھا تو بڑا نالائق اور نافرمان، لیکن اب تو یہ اجر وثواب کے بڑے بڑے پارسل بھیج رہا ہے۔ اور وہ وہاں اس کے بڑے سخت محتاج ہوں گے، اور شاید وہ یہ دعائیں دینا شروع کر دیں کہ یا اللہ! اب یہ ٹھیک ہوگیا ہے، یا اللہ! اب یہ اسی ایصالِ ثواب کے کام میں لگا رہے، نماز پڑھتا رہے، روزہ رکھتا رہے، حج کرتا رہے، اور نیک کاموں میں لگا رہے۔ بہرحال! دیکھئے یہ دونوں کام کتنے آسان ہیں، کچھ مشکل نہیں، روزانہ بارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد کا ثواب اپنے والدین کو پہنچا دیا کریں، ہر نماز کے بعد یا کم از کم فجر کی نماز کے بعد روزانہ پڑھ کر اس کا ثواب ان کو پہنچا دیا کریں۔

والدین عظیم نعمت ہیں

اگر کسی کے ماں باپ زندہ ہیں تو اس کو بہت بڑی دولت حاصل ہے، بہت بڑی نعمت اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرما رکھی ہے، جتنا بھی وہ اس نعمت کی قدر اور احترام کر سکتا ہے اور ان کی خدمت کر سکتا ہے اور ان کی خدمت کر کے اپنی آخرت بنا سکتا ہے، اس میں دریغ نہ کرے، یہ نعمت چلی گئی تو پچھتانے کے سوا کچھ نہ ہوگا، ابھی بہت بڑی نعمت حاصل ہے۔ وہ بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر اولاد اپنے ماں باپ کے چہرہ پر

ایک مرتبہ شفقت بھری نظر ڈالے، شفقت سے اور محبت سے ان پر نظر ڈالے کہ یہ میرے ماں باپ ہیں. میرے بہت بڑے محسن ہیں، دنیا میں میرے وجود میں آنے کا باعث ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا بہت بڑا درجہ رکھا ہے، تو ایک شفقت بھری نظر ڈالنے پر اللہ تعالیٰ اس کو ایک مقبول حج کا ثواب عطاء فرماتے ہیں۔ اللہ اکبر!!

آج کل ایک مرتبہ حج کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، وہ بھی سال میں ایک مرتبہ، اس لئے کہ جس طرح سال میں ایک ہی مرتبہ رمضان آتا ہے، اسی طرح ایک ہی مرتبہ حج ہوتا ہے۔ پھر ہر سال ہر آدمی حج کر بھی نہیں سکتا، اور اگر کرے بھی تو آسان کام نہیں، اس کے لئے وقت بھی چاہئے، پیسے بھی چاہئیں، صحت بھی چاہئے، اگر ان تینوں میں سے ایک چیز بھی کم ہو جائے تو حج مشکل ہو جائے گا، اگر کسی طرح کر بھی لے تو ہر حج کا مقبول ہونا آسان نہیں، اور یہاں ایک ہی نظر پر ایک مقبول حج کا ثواب ملنا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے۔

سو حج کا ثواب

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ ماں باپ کا کتنا اونچا مقام ہے، اگر کسی شخص نے صبح سے شام تک سو مرتبہ والدین پر شفقت بھری نظر ڈالی تو اس کو سو حج کا ثواب انشاء اللہ تعالیٰ ایک ہی دن میں حاصل ہوگیا، اور جہاں والدین اولاد کے ساتھ رہتے ہیں، وہاں تو ہر دم نظر پڑتی ہی رہتی ہے، اولاد کی ماں

باپ پر اور ماں باپ کی اولاد پر، بس اولاد کے دل میں ان کی عظمت ہو، ان کا اکرام ہو، ان کا احترام ہو، اور جب بھی نظر ڈالیں تو شفقت سے اور عزت و احترام سے ان پر نظر ڈالیں کہ یہ میرے ماں باپ ہیں، ان کا بہت اونچا مقام ہے، یا اللہ! یہ مجھ سے راضی رہیں، یا اللہ! مجھے ان کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔ اس طرح دل کی گہرائی سے جب ان پر نظر پڑے گی تو ہر نظر پر ایک مقبول حج کا ثواب نامہ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگر ان کی طرف سے کوئی زیادتی بھی ہو تو آدمی برداشت کرلے۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ ماں باپ کے حقوق کا بیان ہے، احادیث طیبہ میں بھی جگہ جگہ ماں باپ کے حقوق کا بیان ہے، ان سب کا بیک وقت بیان کرنا آسان نہیں، ہاں تھوڑا سا بیان ہوسکتا ہے۔

والدین کے چند حقوق

جو آیت میں نے تلاوت کی ہے، اس میں ماں باپ کے چند حقوق بیان ہوئے ہیں۔ پہلے تو اللہ پاک نے اپنی توحید کے بیان کے ساتھ ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے کا ذکر فرمایا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ دیکھو ماں باپ کا اتنا بڑا درجہ ہے کہ ہم نے ان کو اپنے ساتھ ذکر کیا، جس طرح ہماری توحید فرض ہے، ہمیں وحدہٗ لاشریک ماننا فرض ہے، ماں باپ کا حق پہچاننا بھی ضروری ہے، ان کا مرتبہ اور مقام جاننا بھی ضروری ہے، اور ان کے ساتھ اچھا سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا والدین کا

پہلا ۔ یہ ہے کہ آدمی ساری زندگی اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک اور اچھا برتاؤ کرے، بدسلوکی، بدتمیزی، بدتہذیبی، نافرمانی، ستانے اور پریشان کرنے سے پرہیز کرے۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک فرض ہے، بدسلوکی حرام ہے، آگے اسی کی تفصیل ہے۔ اور پھر خاص طور سے ان کے بڑھاپے کے زمانہ کا ذکر فرمایا ہے۔

جوانی میں تو ماں باپ قوی ہوتے ہیں، اولاد پر غالب ہوتے ہیں، اولاد ان کے تابع ہوتی ہے، ماتحت ہوتی ہے، اس لئے وہاں ماں باپ کی زیادہ نافرمانی اور حق تلفی نہیں ہوتی، اور اس وقت بھی اولاد پر ماں باپ کی جائز امور میں اطاعت ضروری ہے اور جائز امور کے اندر ان کی نافرمانی ناجائز ہے اور بڑا گناہ ہے اور اس وقت بھی ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور خدمت اولاد کے ذمہ ہے۔

لیکن جب کسی کے ماں باپ بوڑھے ہو جائیں، ضعیف ہو جائیں، کمزور ہو جائیں، کمانے کھانے کے قابل نہ رہیں، یا خاص طور سے جب بیمار ہو جائیں اور وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں، اس وقت اولاد کا امتحان ہوتا ہے کہ کون اس وقت ماں باپ کا احترام کرتا ہے، عزت کرتا ہے، خدمت کرتا ہے اور فرمانبرداری کرتا ہے اور ان کا دل خوش کر کے ان سے دعائیں لیتا ہے۔

جس نے ماں باپ کی بڑھاپے میں اس طرح خدمت کی کہ ان کو خوش کر کے ان سے دعائیں لے لیں، بس وہ امتحان میں پاس ہو گیا، اس نے

میدان جیت لیا، اس نے اپنی آخرت بنالی، اور جس نے یہ امتحان پاس نہ کیا وہ فیل ہوگیا۔

بچپن اور پچپن

بڑھاپے میں اکثر آدمی کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے اور کچھ آدمی کی طبیعت عجیب سی ہو جاتی ہے، یا یوں کہیے کہ بچپن اور پچپن ایک جیسا ہو جاتا ہے، بچپن میں جو عادتیں ہوتی ہیں وہ بڑھاپے میں واپس آ جاتی ہیں، البتہ اتنا فرق ہے کہ بچہ کی عادتیں پسند ہوتی ہیں اور بوڑھے کی ناپسند ہوتی ہیں۔

ایک بوڑھے کا عبرتناک واقعہ

اسی موضوع پر ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بیان فرماتے ہوئے ایک قصہ سنایا تھا، جو یہ ہے:

ایک شخص تھا، جب وہ بوڑھا ہوگیا اور بیٹا جوان ہوگیا تو جوان ہونے کے بعد ایک مرتبہ بیٹا باپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور کسی کام میں مشغول تھا، باپ معذور تھا، وہ چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا، بڑھاپے میں نظر بھی نہیں آتا اور سمجھ میں بھی نہیں آتا، تو دیوار پر ایک کوّا آ کر بیٹھا، تو باپ نے پوچھا بیٹا یہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا ابا کوّا ہے، تھوڑی دیر کے بعد پھر اس نے پوچھا بیٹا یہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا کہ ابھی تو بتایا تھا کوّا ہے، تھوڑی دیر میں پھر پوچھا بیٹا یہ کالا کالا سا کیا ہے؟ ابھی تو بتایا تھا کوّا ہے، باپ خاموش ہوگیا، پھر پوچھا یہ کالا کالا سا کیا ہے

بیٹا؟ اب بیٹا غصہ میں بولا کہ آپ کا دماغ چل گیا ہے، ابھی تو بتایا تھا کہ کوّا ہے، پانچویں مرتبہ پھر بڑے میاں نے پوچھ لیا، بیٹا یہ کیا ہے؟ اب تو بیٹا مرنے مارنے کے لئے تیار ہوگیا کہ آپ کا دماغ چل گیا ہے اور یہ ہوگیا وہ ہوگیا اور یہ ہے اور وہ ہے، سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں، نظر آتا نہیں، بتا تو دیا ہے ہزار مرتبہ کہ کوّا ہے۔

جب بیٹے نے اس قدر بدتمیزی کا برتاؤ کیا اور غصہ اور ناراضگی کا اظہار کیا تو باپ کچھ زیادہ ہی ہوشیار تھا، وہ اٹھا اور اندر جا کر ایک پرانی ڈائری اٹھا کر لایا، جس میں بیٹے کی تاریخ ولادت لکھی ہوئی تھی، ڈائری نکال کر اس کا ایک صفحہ کھولا اور کہا بیٹا ذرا یہ پڑھ کر دیکھو، اس میں لکھا ہوا تھا کہ فلاں دن اور فلاں تاریخ کو میں اور یہ میرا اکلوتا بیٹا ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں دیوار پر ایک کوّا آ کر بیٹھا، اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ ابا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا بیٹا کوّا ہے، پھر اس نے پوچھا کہ ابا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا بیٹا کوّا ہے، پھر اس نے پوچھا کہ ابا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا بیٹا کوّا ہے۔ پچیس مرتبہ اس نے پوچھا، میں نے ہر مرتبہ پیار سے جواب دیا، بلکہ اس کا یہ پوچھنا ہی مجھ کو بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ باپ نے یہ واقعہ بتا کر کہا کہ دیکھو باپ اور بیٹے میں یہ فرق ہوتا ہے، یہ تیرا جواب ہے اور وہ میرا جواب تھا، تو پانچ مرتبہ میں ہی مارنے کے لئے تیار ہوگیا، اور میں پچیس مرتبہ میں بھی پیار کرتا رہا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ بچپن اور پچپن کچھ ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔

اولاد کو والدین کی تکالیف کا اندازہ نہیں

تمہیں کیا معلوم ہے کہ ماں باپ نے بچپن میں تمہارے ساتھ کیسا پیار کا معاملہ کیا تھا، اور تمہارے کیسے کیسے نازونخرے سہے تھے، اور کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کی تھیں اور تمہارے کتنے ہی اَنگنت سوالوں کا جواب دیا تھا اور ہر سوال کا جواب پیار و محبت سے دیا تھا، اور آج تم پانچ مرتبہ کے سوالوں پر چراغ پا ہو گئے اور یوں ڈانٹنے لگے اور اس طریقہ سے غصہ اور ناراضگی کا اظہار کرنے لگے۔

آج کل حقیقت حال یہی ہے کہ ماں باپ کی نرمی بھی اولاد سے برداشت نہیں ہوتی، غصہ اور ناراضگی تو کون برداشت کرے گا، ماں باپ اگر آج شفقت و محبّت سے اپنی اولاد سے کہتے ہیں کہ فلاں گناہ نہ کرو، نماز جماعت سے پڑھ لیا کرو، ماحول خراب ہے باہر مت نکلا کرو، کوئی سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اگر وہ ذرا سی ناراضگی کا اظہار کر دیں تو اولاد مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔

بہر حال! والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم ہے، خاص طور سے جب وہ بڑھاپے کی حالت کو پہنچ جائیں، اس وقت ان کی کسی بات پر چیں بجبیں ہونا، پیشانی پر شکن لانا، تیور بدلنا، آنکھوں یا چہرہ سے غصہ کا اظہار کرنا، یا زبان سے اُف تک کہنا، یاد رکھئے! ان سب کی ممانعت ہے، ان کی کوئی گنجائش نہیں، والدین کو ڈانٹنا ڈپٹنا، تنبیہ کرنا، خدانخواستہ مارنا پیٹنا، یہ تو

بالکل ہی حرام ہے۔

ہمارے معاشرے میں ماں باپ کو مارنے، ستانے، پریشان کرنے، ان کے سامنے زبان چلانے، ترکی بترکی جواب دینے کے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں اور ہمارے معاشرے میں عام ہو رہے ہیں۔ جبکہ قرآن شریف میں یہ فرمایا:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا۔

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۲۳)

ان کو اف بھی نہ کہو اور ان کو جھڑکو بھی نہیں۔ اگر انہوں نے کوئی ایسی بات کہی ہے کہ تم اس کے جواب میں اُف وغیرہ کہہ سکتے ہو تو تم اس کے جواب میں وہ بھی نہ کہو بلکہ خاموش رہو۔

وَلَا تَنْهَرْهُمَا۔

اور ان کو ڈانٹو بھی نہیں، تنبیہ بھی نہ کرو اور مارنا پیٹنا تو دور کی بات ہے۔

جوانی اور متکبر کا حال

عام طور سے جوانی کے اندر آدمی میں اکڑفوں زیادہ ہوتی ہے، اللہ بچائے، اور آدمی کمزور کے سامنے زیادہ اکڑتا ہے، متکبر کو اکڑ کر چلنے کا شوق ہوتا ہے، اور یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی مجھے دیکھے تاکہ پتہ چلے کہ کون گزرا؟ اور وہ کچھ تعریف بھی کرے، متکبر تو خود ہی تعریف کا خواہاں ہوتا ہے، اگر کوئی تعریف نہ کرے تو تعریف کرانے کا خواہاں ہوتا ہے، اللہ بچائے۔

ایک آدمی ایک بزرگ کے پاس سے گزرا اور اکڑتا ہوا گزرا، انہوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی کہ کون گزرا، اس نے پوچھا معلوم بھی ہے کہ آپ کے پاس سے کون گزرا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں مجھے معلوم ہے کون گزرا؟ کہا کون گزرا؟

جواب دیا کہ وہ شخص جس کا اوّل ناپاک قطرہ ہے اور آخر ایک مردار لاشہ ہے اور درمیان میں اس کے پیٹ میں پاخانہ، مثانہ میں پیشاب اور رگ رگ میں ناپاک خون بھرا ہوا ہے، گویا اس کی یہ حقیقت بیان فرما دی کہ تیری پیدائش ایک ناپاک قطرہ سے ہے، تیرا انجام ایک مردار جسم ہے اور ان دونوں کے درمیان جسم میں نجاست لئے پھرتا ہے، وہ سن کر شرمندہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کس بات پر اکڑے اور اترائے، اور کس بنا پر خود کو بڑا سمجھے؟ وہ ہر حال میں حقیر و ذلیل ہے، بڑائی کی اس میں کوئی بات نہیں، بڑائی صرف اور صرف حق تعالیٰ کے لائق ہے۔

بہرحال والدین کے بارے میں حق تعالیٰ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجز اور پست بنا کر رکھو، بیشک تم طاقتور سہی، قوی سہی، جوان سہی، لیکن مرتبہ میں تم ان کے برابر نہیں، لہٰذا ان کے سامنے عاجز بنے رہو، غلاموں، تابع داروں اور فرمانبرداروں کی طرح رہو۔

وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ

اور یہ تمہارا ان کے سامنے عاجزی کرنا، انکساری اختیار کرنا اور پستی اختیار کرنا بھی از راہ شفقت و مہربانی ہو

کہ یہ میرے ماں باپ ہیں۔

اور صرف یہ نہیں کہ ظاہر میں ان کے سامنے عاجزی سے رہو بلکہ دل سے بھی ان کے لئے دعائیں کرتے رہو،

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْراً

جب اولاد ان کو یہ دعا دے گی اور ان کی تابعدار رہے گی اور خدمت کرے گی تو ایسے شخص کو والدین کی دلی دعائیں ملیں گی، اور جسے ماں باپ کی دلی دعائیں مل گئیں تو انشاء اللہ اس کی دنیا و آخرت سنور جائے گی، اللہ پاک والدین کی خدمت کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔

والدین کی دعا کا عجیب واقعہ

ماں باپ کی دعا کا ایک عجیب وغریب واقعہ یاد آیا جو نزھۃ البساتین میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی آئی کہ سمندر کے کنارے پر جاؤ اور ہماری قدرت کا ایک عجیب نمونہ دیکھو! حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ہمراہ انسان و جنّات کو لے کر وہاں پہنچے اور دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی خاص چیز نظر نہ آئی، تو آپ نے ایک جن کو حکم دیا کہ تم اس سمندر میں غوطہ لگاؤ اور اندر کی صورتحال سے مجھے آگاہ کرو، اس نے غوطہ لگایا اور کچھ دیر کے بعد اوپر آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! میں نے اس سمندر میں پے درپے غوطے لگائے مگر اس کی تہہ تک نہ پہنچ سکا اور جہاں تک میں گیا کوئی خاص چیز مجھے نظر نہ آئی۔ آپ نے دوسرے جن کو حکم دیا کہ تم سمندر میں

غوطے لگاؤ اور اندر کے حال سے مطلع کرو، اس نے بھی غوطہ لگایا اور باہر آ کر وہی جواب دیا جو پہلے جن نے دیا تھا کہ اس نے پہلے جن سے دوگنا غوطے لگائے لیکن سمندر کی تہہ تک وہ بھی نہ پہنچ سکا اور واپس آ گیا، اور عرض کیا کہ حضرت وہاں مجھے کچھ نہیں ملا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے ''آصف برخیاء'' آپ نے ان کو حکم دیا کہ آپ جائیے اور اندر کا حال بتلایئے، وہ گئے اور تھوڑی ہی دیر میں سمندر کی تہہ سے ایک سفید قبہ نکال کر لائے، جو بالکل گول تھا، جس میں چار دروازے تھے اور چاروں دروازے کھلے ہوئے تھے، ایک ان میں موتی کا تھا، ایک یاقوت کا، ایک زمرد کا اور ایک ہیرے کا، ان چاروں کے چار دروازے بنے ہوئے تھے اور چاروں دروازے کھلے ہوئے تھے، لیکن پانی کا ایک قطرہ اندر نہیں گیا تھا، حالانکہ وہ سمندر کی تہہ میں تھا، اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے!

آصف برخیار نے جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے یہ قبہ حاضر کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ اندر قالین بچھا ہوا ہے اور ایک خوبصورت جوان اس میں نماز پڑھ رہا ہے، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام اندر تشریف لے گئے اور اس سے جا کر ملے اور سلام کیا، اور دریافت فرمایا کہ آپ یہاں کیسے آئے؟ کس چیز نے آپ کو یہاں پہنچایا؟

اس نوجوان نے عرض کیا کہ حضرت! میں اپنے ماں باپ کی دعا کی بدولت یہاں آیا ہوں، میرے ماں باپ دونوں کے دونوں معذور تھے، میری ماں نابینا

تھی اور میرے والد آپاہج تھے، میں نے ستر برس ان کی خدمت کی، میرے سوا ان کا کوئی خدمتگار نہ تھا، لہٰذا رات دن میں ان کی خدمت کرتا تھا، جب میری والدہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو میری والدہ نے ایک دعا دی کہ!

''یا اللہ! میرے بچے کو عمر دراز عطا فرما اور اس کو ساری عمر اپنی عبادت میں گزارنے کی توفیق عطا فرما۔''

اور میری ماں کا انتقال ہوگیا، پھر میں والد صاحب کی خدمت میں لگا رہا، جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے بھی انتقال سے پہلے مجھے ایک دعا دی کہ:

''یا اللہ میرے بیٹے کو ایسی جگہ عبادت کی توفیق دینا جہاں شیطان کا عمل دخل نہ ہو۔''

جب میرے والد صاحب کا بھی انتقال ہوگیا اور میں ان کو دفن کر کے آیا تو میرے پاس سوائے آنسوؤں کے کچھ نہیں تھا، دل میں سوچنے لگا کہ اب گھر میں کون ہے جس کے پاس جاؤں گا، میں بہت ہی اداس اور غمگین اس سمندر کے کنارہ آیا تو دور سے مجھے یہ قبہ نظر آیا، مجھے تجسس پیدا ہوا کہ یہ کیا چیز ہے؟ چنانچہ دیکھنے کے لئے قریب آیا تو یہ بڑا خوبصورت تھا، چنانچہ میں اس کی خوبصورتی دیکھنے کے لئے اندر آیا تو ایک فرشتہ نے اٹھا کر سمندر کی تہہ میں رکھدیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تم زندہ ہو، کھانا پینا کہاں سے ہوتا ہے؟

اس نے کہا کہ حضرت! ایک سبز پرندہ روزانہ میرے پاس آتا ہے اور اپنی چونچ میں انسان کے سر کے برابر ایک زرد رنگ کی چیز کھانے کی لاتا ہے، میں اسے کھالیتا ہوں، اس میں دنیا کی ساری نعمتوں کا ذائقہ آجاتا ہے، اس کے کھانے کے بعد چوبیس گھنٹہ تک نہ مجھے بھوک لگتی ہے نہ پیاس لگتی ہے، نہ تکلیف ہوتی ہے نہ بیماری ہوتی ہے، نہ تھکن ہوتی ہے، نہ سستی ہوتی ہے، کچھ بھی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ یہاں اکیلا پن بھی محسوس نہیں ہوتا، نہ تنہائی کی وحشت محسوس ہوتی ہے، بالکل تندرست توانا چاق و چوبند ہو جاتا ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ تم کس زمانہ میں یہاں آئے تھے؟ اس نے کہا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہاں آیا تھا، میں ان کا امّتی ہوں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے تاریخ دیکھی تو دو ہزار سال ہو چکے تھے۔ وہ بالکل جوان تھا، اس کے سر کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا اور عبادت میں مشغول تھا، باپ کی دعا بھی خوب لگی اور ماں کی دعا بھی خوب لگی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ ہمارے ساتھ چلو یا ہم تمہیں تمہاری جگہ پہنچا دیں؟ اس نے کہا نہیں مجھے اپنی جگہ پہنچا دیں، چنانچہ آپ نے آصف برخیاء سے فرمایا کہ انہیں ان کی جگہ پہنچا دو، چنانچہ انہوں نے پہنچا دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ماں باپ کی دعا کا اثر دیکھو کہ کس طریقہ سے اللہ پاک نے اسے کہاں پہنچایا ہوا ہے اور اپنی عبادت میں لگایا ہوا ہے، نہ کھانے کی فکر، نہ پینے کی فکر، نہ کوئی بیماری نہ کوئی غم، سارے غموں

سے نجات پا گیا، لہٰذا اپنے ماں باپ کی نافرمانی سے بچو اور ان کو ستانے سے پرہیز کرو اور ان کی خدمت کر کے ان سے دعائیں لو!

عبرتناک واقعہ

ایک عبرت ناک واقعہ ہمارے ایک بزرگ نے سنایا تھا کہ جیسے دعا سے آدمی کو بڑا عالی مقام ملتا ہے، ایسے ہی والدین کی نافرمانی اور ایذا رسانی سے نجانے کیا انجام ہوتا ہے۔

ایک ماں تھی اور ایک ہی اس کا بیٹا تھا، ماں بیچاری بیمار تھی اور بیٹے کے سوا اس کا کوئی خدمت گار نہیں تھا، بیٹا رات دن ماں کی خدمت کرتا، لیکن جب بھی حج کا زمانہ آتا تو اس کا حج کرنے کو بہت دل چاہتا، اور وہ اپنی والدہ سے کہتا کہ امی جان! آپ مجھے حج کرنے کی اجازت دے دیں، والدہ کہتی بیٹا! تیرے سوا میرا کوئی خدمت کرنے والا اور دھیان کرنے والا ہے نہیں، میں تجھے کیسے اجازت دے دوں، حج میں کوئی دو دن تو لگتے نہیں، اچھا خاصا وقت لگتا ہے اور تمہارے پیچھے میرا کیا بنے گا؟

بہرحال! ماں یہی کہتی رہی کہ بیٹا! جب تک کوئی متبادل انتظام نہیں ہوتا صبر کرو، جب موقع ملے چلے جانا، لیکن بیٹے کو جانے کا شوق ہوتا تھا، آخر ایک دن اتنا شوق ہوا کہ والدہ کو بتائے بغیر ہی گھر سے نکل گیا۔ اس زمانہ میں قافلے حج کے لئے جایا کرتے تھے اور لوگ انہی کے ساتھ چل دیا کرتے تھے، تو وہ ایک قافلہ کے ساتھ چل دیا، ایک دو منزل کے بعد قافلہ نے کسی شہر کے

باہر قیام کیا اور قافلہ والے شہر میں اپنی اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے چلے گئے، چنانچہ بیٹا خود اپنا واقعہ بیان کرتا ہے کہ میں بھی کسی مسجد میں جا کر عبادت میں مشغول ہوگیا، رات کو میں عبادت میں مشغول تھا کہ شہر میں چوری ہوگئی اور تھانیدار نے پولیس کو چور پکڑنے کے لئے روانہ کر دیا، پولیس والے مسجد میں بھی آئے، انہوں نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا تو کہا چور یہی ہے، اور نماز کے بہانے اپنی جان چھڑانا چاہتا ہے، اور مجھے گرفتار کر کے تھانیدار کے سامنے پیش کر دیا، وہ بھی کوئی جلاد قسم کا آدمی تھا، اس نے لوگوں پر رعب اور اپنی دھاگ بٹھانے کے لئے میرے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹوا دیئے، اور میرے دھڑ کو ایک ریڑھی پر رکھ کر منہ کالا کر کے شہر میں گھمایا کہ جو بھی چوری کرے گا اس کا یہ انجام ہوگا، اور ساتھ ساتھ ایک آدمی اعلان کرتا گیا کہ دیکھو جو چوری کرے گا اس کا یہ انجام ہوگا۔ میں نے کہا نہیں بلکہ یہ اعلان کرو کہ جو ماں کی اجازت کے بغیر حج کرنے جائے گا، اس کا یہ انجام ہوگا، جب بار بار یہ اعلان کیا گیا تو لوگ مجھے پہچان گئے، کیونکہ یہ ماں بیٹے عبادت اور بزرگی کے اندر دور دور تک معروف تھے کہ یہ فلانی کا بیٹا ہے اور اس کی ماں رابعہ بصریہ کی طرح عبادت گزار ہے، اور یہ بھی بڑا ہی اور نیک صالح بندہ ہے۔ لوگوں نے ایک دم تھانیدار کا گھیراؤ کر لیا کہ کم بخت تو نے ان بزرگ کے ساتھ یہ کیا زیادتی کی؟ اسے معلوم ہوا تو وہ بھی کانپ گیا اور معافی مانگنے لگا اور توبہ کرنے لگا، خیر میں نے اسے معاف کیا اور میں نے کہا کہ مجھے میری ماں کے پاس پہنچا دو، اور میری ماں کو اطلاع نہ کرنا کہ تیرا بیٹا آیا ہے، بلکہ مجھ کو لے

جا کر میری ماں کے گھر کے دروازے کے پاس رکھ دینا، کیونکہ اس کے اب نہ ہاتھ تھے نہ پیر تھے۔

لوگوں نے میرے کہنے کے مطابق میری ماں کے جھونپڑے کے پاس مجھے رکھ دیا اور میں تکلیف سے کراہنے لگا، میری ماں نے سمجھا کہ شاید کوئی فقیر کھانا مانگنے کے لئے آیا ہے تو میری ماں نے کھانا نکالا اور کہا: لو بابا کھانا لے لو! میں نے آواز دی کہ اماں! میرے تو پیر ہی نہیں ہیں، میں کھانا کیسے لے لوں، وہ آئیں اور میرے پاس کھانا رکھ دیا کہ لو کھانا کھالو، میں نے کہا کہ اماں! میرے تو ہاتھ بھی نہیں ہیں، میں کھانا کیسے کھالوں، جب انہوں نے تین مرتبہ میری آواز سنی تو پہچان گئی کہ ہائے یہ تو میرا ہی بیٹا ہے، اور پھر وہ اٹھا کر مجھے اندر لے گئیں، ساری رات ماں اور بیٹا روتے رہے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! جو گناہ مجھ سے ہوگیا ہے، مجھے معاف فرما دیجئے اور ماں کی نافرمانی کا جو وبال مجھ پر آ گیا ہے، اسے دور فرما دیجئے، روتے روتے اور دعا کرتے کرتے **دونوں کی آنکھ** لگ گئی، سویرے اٹھے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر صحیح و سالم تھے، ماں باپ کی دعاؤں کا یہ اثر ہے، اس لئے ہمیں ماں باپ کا بڑا احترام کرنا چاہئے۔

ماں اور بیوی دونوں کا حق ادا کریں

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے ایک بیان میں بڑی پیاری بات بیان فرمائی تھی، وہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ماں

باپ کا بلاشبہ مقام بڑا اونچا ہے، لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ ماں باپ کی محبت کی وجہ سے شوہر بیوی پر ظلم ڈھائے اور بیوی کے ساتھ زیادتی کرے اور اس کی حق تلفی کرے، یہ بھی ناجائز ہے اور ایسے ہی بیوی کی وجہ سے ماں باپ کے ساتھ زیادتی کرنا اور ان کی حق تلفی کرنا اور ان پر ظلم کرنا یہ بھی ناجائز ہے۔

ماں باپ کے حقوق الگ ہیں، بیوی کے حقوق الگ ہیں، دونوں کو ادا کرنا ضروری ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شوہر ماں باپ کی وجہ سے اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے اور اس کی حق تلفی کرتا ہے اور اس کے ساتھ زیادتی کرتا ہے جو سراسر ناجائز ہے، اس میں بھی آخرت برباد ہوتی ہے، اور ایسے ہی کبھی بیوی کی محبت میں ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے اور ان کے ساتھ زیادتی کرتا ہے، بیوی جو کچھ کہہ دیتی ہے، اسے سچ سمجھتا ہے اور ماں باپ جو کچھ کہہ دیتے ہیں، اسے جھوٹا سمجھتا ہے اور ان کے ساتھ زیادتی اور ان کی نافرمانی کرتا ہے، یہ بھی جائز نہیں، دونوں کے حقوق ادا کرنے کی ضرورت ہے اور دونوں کے حقوق ضروری ہیں۔

گناہ میں والدین کی اطاعت جائز نہیں

البتہ ماں باپ ہوں یا کوئی بھی مخلوق ہو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔

لہٰذا اگر ماں باپ کسی کو داڑھی منڈوانے کے لئے کہیں یا گانا گانے یا گانا سننے کے لئے کہیں یا کسی اور ناجائز اور خلافِ شرع کام کرنے کا حکم دیں تو

اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں ہے، ادب سے معذرت کر دے کہ میں یہ کام نہیں کرسکتا، لیکن بدتمیزی بھی نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ماں باپ کے کہنے کی وجہ سے نہ کرے۔ ہاں جو دین کی باتیں ہیں جیسے فرائض ہیں، واجبات ہیں یا جائز اور مباح باتیں ہیں، ان میں اگر ماں باپ اولاد کو حکم دیں تو اس کے اندر ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہئے۔

ایذا رسانی سے بچیں

زیادہ تر اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہمارے کسی قول و فعل سے اور ہمارے کسی طرزِ عمل سے اشارۃً یا کنایۃً یا صراحۃً کسی بھی انداز سے ماں باپ کو ہم سے تکلیف نہ پہنچے، بلکہ تازندگی اس بات کی کوشش کرتے رہیں کہ ہم اس انداز سے رہیں اور اس انداز سے ان کی خدمت، ان کا احترام اور ان کا اکرام کریں کہ ان کا دل ہم سے باغ باغ رہے اور وہ دل سے ہمیں دعائیں دیں، اللہ تعالیٰ توفیق بخشیں، آمین۔

اداءِ حق کا طریقہ

اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی کرنا ہو، اس میں ہمیشہ اہل علم سے اور علماء کرام سے اور اہل فتویٰ حضرات سے مشورہ کرتے رہیں کہ ہمارے والد صاحب یہ کہتے ہیں تو میں اس معاملہ میں کیا کروں اور میری والدہ یہ فرماتی ہیں تو میں اس بارے میں کیا طرز عمل اختیار کروں؟ کیونکہ علم تو ہمارے پاس ہے

نہیں، ہم بے علمی میں نہ جانے کیا کریں اور کیا نہ کریں، تو نہ جاننے والے کا علاج پوچھنا ہے، دریافت کرتے رہیں اور چلتے رہیں اور پوچھ پوچھ کر عمل کرتے رہیں۔ بیوی کے حقوق بھی ہیں، ماں باپ کے حقوق بھی ہیں اور اپنے حقوق بھی ہیں، جن کو ادا کرنا چاہئے، ان سب کے بارے میں دریافت کرتے رہیں، اور دعا کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ مدد فرما ہی دیتے ہیں اور آسانی ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے ماں باپ کا حق پہچاننے کی توفیق دیں اور ان کا حق ادا کر کے ان سے دلی دعائیں لینے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین بحرمۃ سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خوفِ خدا

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خوفِ خدا

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئآت اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھدان لاالٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیّدنا و نبیّنا و مولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ الہ و اصحابہ و بارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا. اما بعد.

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِیْ الْخَیْرٰتِ وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَباً وَّرَھَباً وَکَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ o

صدق اللّٰہ العظیم (الانبیاء:۹۰)

وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو توقع اور ڈر سے اور تھے ہمارے آگے عاجز۔

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! اللہ تعالیٰ سے ہم کو یہ دعا مانگنی چاہیے

کہ وہ ہم کو اپنی اس قدر خشیت اور خوف عطا فرمادے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ہمارے درمیان حائل ہو جائے، جب کوئی گناہ کا موقع آئے یا نافرمانی کی صورت سامنے آئے تو اسی لمحے اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت آ کر ہمیں اس سے روک دے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کریں

ہمارے گناہوں کی بڑی وجہ اس خوف اور خشیت کا کم ہونا ہے یا نہ ہونا ہے، جب کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا یا جتنا ہونا چاہیے اتنا نہیں ہوتا تو اسی لمحے بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے۔ ہماری غفلت، سستی، کاہلی، بے توجہی اور بے فکری کی وجہ بھی یہی ہے۔ حق تعالیٰ کا خوف اور خشیت وہ نعمت ہے کہ جس کو بھی نصیب ہو جائے پارسا بن جائے، یہی تقویٰ کی روح ہے۔ تقویٰ کہتے ہیں ڈرنے کو اور بچنے کو کہ اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے، تو یہ ڈرنا بچنا جب ہی نصیب ہوتا ہے جب دل میں خشیت الٰہی بھری ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کے دلوں میں اپنی خشیت بھر دے اور اپنا اتنا خوف عطا فرمادے کہ ہم اس کی نافرمانی سے دور رہیں۔ قرآن کریم میں اور احادیث طیبہ میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی بڑی فضیلت اور بڑی تاکید اور بڑی ترغیب آئی ہے، ان سب کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنے اندر خشیت الٰہی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

خشیت پیدا کرنے کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ خشیت پیدا کیسے ہو؟ تو اس کے پیدا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو اپنی خشیت سے نوازا ہے اور جن بندوں اور بندیوں کے دل میں خوفِ خدا بھرا ہوا ہے ان کے پاس بیٹھیں، انکے پاس بیٹھنے سے

بیٹھنے والوں کے دل بھی خوف سے بھر جاتے ہیں، ان کی خدمت میں بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کی خشیت دل میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جتنی بھی باطنی خوبیاں اور باطنی کمالات ہیں ان سب کا عام طریقہ یہی ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھو، ان کے پاس بیٹھنے سے ان کے قلب کے اندر اللہ تعالیٰ کے عشق ومحبت کی جو شمع روشن ہے یا خوف و خشیت کا جو دیا جل رہا ہے، بیٹھنے والوں کے دل میں بھی وہی دیا منتقل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور درجات بلند فرمائے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحبؒ کے جو ہمارے شیخ و مرشد ہیں اور ہمارے مشائخ میں سے ہیں، ماشاء اللہ بہت سے ان کی زیارت کرنے والے حضرات آج بھی موجود ہیں، حضرت تھانویؒ کے مخصوص خلفاء میں سے تھے، آپ پر حضرت تھانویؒ کی تربیت کا ایک خاص رنگ تھا، حضرت تھانویؒ اپنے مواعظ میں طریقت اور شریعت کے بہت سے مسائل جس کو عام آدمی نہیں سمجھ سکتا، معمولی معمولی مثالوں سے اس طرح سمجھاتے تھے کہ ذرا سی دیر میں معمولی سمجھ رکھنے والا بھی ان کو سمجھ لیتا تھا، ان کے جو مخصوص خلفاء تھے، ان کے اندر بھی یہ خصوصیت تھی۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ کے اندر بھی اللہ پاک نے یہ خوبی رکھی تھی کہ عجیب عجیب مثالیں بیان فرماتے تھے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے پاس بیٹھ کر اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا خوف پیدا کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چراغ یا موم بتی جو جل رہی ہو اور آپ چاہیں کہ آپ کی موم بتی بھی جل جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی موم بتی اس چراغ یا موم بتی کے قریب لے آؤ، پہلے تو اس چراغ کی روشنی آپ کے چراغ یا موم بتی پر بلکہ آپ پر بھی پڑے گی، پھر جتنا قریب ہوتے جاؤ گے منور ہوتے چلے جاؤ گے، یہاں تک کہ جب آپ اپنی موم بتی کا دھاگا اس جلتے

ہوئے چراغ کی لو سے ملادو گے تو ذرا سی دیر میں وہ شعلہ جو اس چراغ کی بتی میں جل رہا تھا آپ کی موم بتی یا چراغ میں بھی منتقل ہو جائیگا، جس طرح پہلا چراغ روشنی دے رہا تھا آپ کا چراغ بھی روشنی دینے لگے گا۔ جیسے ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے ایک موم بتی سے دوسری موم بتی جلتی ہے، اسی طریقے سے جب تم کسی اللہ والے کے دل سے اپنا دل ملادو گے اور جتنا اس سے قریب ہو جاؤ گے اور قریب ہونے کا مطلب یہاں یہ ہے کہ جتنا تمہارا مزاج اس اللہ والے کے مزاج سے مل جائے گا، طبعیت میں جتنی یکسانیت جتنی یگانگت جتنی محبت اور الفت ہوگی، جتنا گہرا تعلق ہوگا، یوں سمجھو یہ چراغ کا جلتے چراغ کے قریب آنا ہے، پھر جس دن مزاج میں خوب یکسانیت اور قربت پیدا ہو جائے گی اسی دن اللہ تعالیٰ کی وہ محبت اور خشیت جو اس اللہ والے کے دل میں اللہ تعالیٰ نے بھر رکھی ہے، آپ کے دل میں بھی بھر جائے گی۔ تو چراغ سے چراغ جلانے کی مثال ایسی ہے جس سے نیک صحبت کا مطلب ہر آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے، اور آج ہمارے اندر اس نیک صحبت اختیار کرنے کی سب سے زیادہ کمی ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت اپنے اندر پیدا کرنے کی شرط یہی ہے کہ آپ اس اللہ والے کے ہم مزاج اور ہم مذاق بن جائیں، اس سے آپ کا ایسا خصوصی **تعلق محبت کا اور اطاعت** اور تابعداری کا ہو جائے اور ایسی سچی تڑپ آپ کے اندر پیدا ہو جائے جیسی موم بتی جلانے والے میں ہوتی ہے، وہ محتاج اور ضرورت مند ہو کر اسکو جلانا چاہتا ہے تو قریب جا کر جلا لیتا ہے، جس میں تڑپ نہیں ہوتی وہ اندھیرے میں بیٹھا رہتا ہے۔ لہذا جو کسی اللہ والے سے دور رہے گا وہ ایسا ہی ہے جیسے موم بتی یا چراغ سے دور رہے۔

جتنے بھی باطنی کمالات ہیں ان کو حاصل کرنا ہمارے ذمے ہے، لیکن وہ قیل و قال سے حاصل نہیں ہوتے، نہ کتابوں اور درس سے حاصل ہوتے ہیں، بلکہ نیک صحبت سے حاصل ہوتے ہیں ؂

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بزرگوں کی نظر یہی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ان کے سامنے اتنا مٹادے اور اپنی مرضی کو ان کے سامنے اتنا فنا کردے کہ بس انہیں کی مرضی اپنے اوپر چلنے لگے، تب کہیں جاکر ان کے دل میں جو اللہ تعالیٰ کا درد ہے اور محبت ہے وہ آپ کے دل میں بھی بھر جائے گی، بہرحال خشیت اپنے دل کے اندر پیدا کرنی چاہیئے اور اس کا طریقہ یہی ہے جو عرض کیا گیا۔

صحبتِ اہل اللہ کم ہورہی ہے

اللہ والوں کی صحبت جس کی مثال ابھی عرض کی گئی ہے وہ بھی اب عنقا ہوتی جارہی ہے، پہلے کراچی میں ماشاء اللہ ہر گوشے میں اللہ تعالیٰ کے ایسے نیک بندے موجود تھے کہ جدھر جاؤ کوئی نہ کوئی اللہ والا بیٹھا ہوا ہے، اس کی صحبت میں جاکر بیٹھ جاؤ، اس سے مل لو، دعاء لے لو، اس کی باتیں سن لو اور اس کی خدمت میں حاضری کا فائدہ اٹھالو، مگر اب یہ صحبتیں ذرا کم ہونے لگی ہیں۔

یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ کے ایسے نیک لوگوں کی صحبتیں کم تو ہوں گی ناپید نہیں ہوں گی، کیونکہ تربیت، تزکیہ اور اصلاح باطنی کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کیلئے رکھا ہے اور جب قیامت تک تربیت کا حکم ہے تو پھر نیک صحبت بھی قیامت تک ضرور ملے گی، کمی تو ہوسکتی ہے لیکن ختم نہیں ہوسکتی انشاء اللہ۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسکے کچھ

بدل پیدا فرما دیئے ہیں کہ اصل میں اگر کمی آجائے تو بدل سے مستفید ہوتے رہیں، جو بدل سے مستفید ہوتا رہے گا اس کو انشاء اللہ تعالیٰ اصل بھی نصیب ہو جائے گا۔

اللہ والوں کی صحبت کے تین بدل

اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی خدمت میں بیٹھنے کا موقع نہ ملے تو تین چیزیں اس کی بدل ہیں:

ایک اللہ والوں کے واقعات اور حکایات پر مشتمل کتابیں پڑھنا۔ بحمد اللہ ایسی کتابیں اردو میں موجود ہیں، جن میں سے ایک کتاب ''نزہۃ البساتین'' ہے۔ اس میں پہلے زمانے کے اونچے درجے کے جو بزرگان دین اور اولیاء اللہ گزرے ہیں جیسے حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت شبلیؒ، حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ اور حضرت ذوالنون مصریؒ ان کی حکایات اور واقعات ہیں، ان کے پڑھنے سے انسان کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اس سے اوپر حضرات صحابہ کرامؓ حضرات تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے احوالِ زندگی اور ان کے خوف وخشیت کے واقعات الحمدللہ اردو میں موجود ہیں، چنانچہ حیاۃ الصحابہ، حکایات صحابہ اور فضائل صدقات یہ سب اردو میں ایسی ہی کتابیں ہیں، اگر آدمی روزانہ کچھ وقت ان کا مطالعہ کرے تو ایسا محسوس ہو جیسے ان کی خدمت میں بیٹھا ہے۔ انکے بعد اور ان سے نیچے ہمارے اکابر علمائے دیوبندؒ ہیں، جو اپنے زمانے کے آفتاب و ماہتاب تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اپنے عشق و محبت کا بہت بڑا حصہ عطا فرمایا تھا، ان کی حکایات بھی الحمدللہ موجود ہیں، ان میں سے ایک کتاب ''حکایات اولیاء'' ہے، اس میں حضرت تھانویؒ نے اکابر علمائے دیوبند کے جو واقعات و حکایات بیان فرمائے ہیں، ان کو جمع کیا گیا ہے اور حاشیے میں حضرت تھانویؒ کی طرف سے اس میں کچھ وضاحتیں بھی ہے۔ اسی کا ایک خلاصہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

دامت برکاتہم نے بھی مرتب فرمایا ہے، اس کا نام ہے ''اکابر دیو بند کیا تھے''۔ اس میں گویا اکابر دیو بند کی حکایات کا نچوڑ ہے۔ ہر حکایت ایسی سبق آموز ہے کہ اگر آدمی اس کو پڑھے اور سمجھے تو انسان کی زندگی پلٹنے لگے۔ تیسری کتاب ''حکایات الصالحین اور حکایات اسلاف'' ہے جو ہمارے دار العلوم کراچی کے ایک فاضل مولانا اعجاز احمد سنگھانوی مدظلہ نے مرتب کی ہے، اس میں حضرت تھانویؒ کے خلفاء اور ان کے ہم عصر علمائے دیو بند کی حکایات جمع کی ہیں۔ اگر کسی کو براہ راست اللہ والوں کی خدمت میں بیٹھنا نصیب نہ ہو اور وہ ان حکایات کا ہی مطالعہ کرتا رہے تو سمجھو وہ بھی اللہ والوں کی صحبت میں ہے، جب وہ ان کے درد بھرے واقعات پڑھے گا تو اس کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کے عشق ومحبت کا درد پیدا ہوگا، ان کی فکر آخرت کا حال پڑھنے سے اپنے اندر بھی آخرت کی فکر پیدا ہوگی۔

اللہ والوں کی صحبت کا دوسرا بدل ٹیپ ریکارڈ

الحمد للہ یہ ٹیپ ریکارڈ اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے کہ جن بزرگوں کی خدمت اور صحبت میں بیٹھنا چاہتے ہوں، ان کی آواز، ان کے بیانات ان ہی کی آواز میں براہ راست سن سکتے ہیں، لیکن اس کے لئے بھی ذرا ادب کی ضرورت ہے، چاہے آپ پندرہ منٹ سنیں یا آدھا گھنٹہ سنیں، لیکن با ادب ہوکر اور طلب لے کر بیٹھیں اور یہ نیت لے کر بیٹھیں کہ میں ان بزرگ کا وعظ اس لئے سنتا ہوں تا کہ میری اصلاح ہو جائے، میرے عیب دور ہو جائیں اور میرے اندر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا سچا جذبہ پیدا ہو جائے، پھر ٹیپ چلائیں اور خوب متوجہ ہوکر سنیں۔ ٹیپ کے ذریعے باتیں سننے میں بھی دل پر اثر ہوتا ہے۔ آج بھی حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ کی کیسٹ سنیں گے تو ایسا محسوس ہوگا حضرت کی مجلس میں بیٹھے ہیں۔ ہمارے حضرتؒ کی کیسٹیں بھی

ملتی ہیں۔مجلس کی عجیب تاثیر ہے، کتاب پڑھنے سے زیادہ اس میں اثر ہوتا ہے۔طلب کے ساتھ سنا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میں اصل کا سا اثر بھر دیتے ہیں، یہ بھی بہترین بدل ہے۔

اللہ والوں کی صحبت کا تیسرا بدل خط وکتابت

جس بزرگ سے آپ باطنی استفادہ کرنا چاہتے ہیں اوراپنی اصلاح کرانا چاہتے ہیں، لیکن ان کی خدمت اور صحبت آپ کو میسّر نہیں ہے، اگر وقتاً فوقتاً نصیب ہوجائے یہ بھی غنیمت ہے لیکن تحریری رابطہ اصلی رابطہ ہے، بلکہ اصلاح نفس کا سب سے بہتر اور مؤثر طریقہ یہی ہے۔لہذا آپ کا تحریری رابطہ مسلسل ان سے رہے، آپ اپنے باطن کی ایک ایک کمزوری سے خط کے ذریعے ان کو آگاہ کریں اور جو ہدایات ان کی طرف سے دی جائیں ان پر عمل کریں۔

بہرحال اصل طریقہ یہی ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کی جائے، جب جہاں اور جتنی بھی مل جائے اسکو غنیمت سمجھیں اوراس سے فائدہ اٹھائیں۔اگر نہ ملے یا کم ملے تو اسکے بدل پر عمل پیرا رہیں، ان کو اپنے عمل میں رکھیں، انشاءاللہ تعالیٰ ادب واحترام اور جذبہ اطاعت کے ساتھ جب طلبِ صادق ہوگی تو یہ بدل بھی اصل کے برابر کام کرینگے اور محروم نہیں ہونے دیں گے۔

خشیت کا ذکر قرآن وحدیث میں

خشیت کے بارے میں قرآن وحدیث بھرے ہوئے ہیں۔ایک آیت میں ہے:

افمن هذا الحديث تعجبون و تضحكون ولا تبكون

ترجمہ: کیا تم اس قرآنِ کریم سے تعجب کرتے ہو اور (اس پر) ہنستے ہو اور

اس کا استہزا کرتے ہو اور تم (عذاب کے خوف سے) روتے نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اصحاب صُفّہ نے سنا تو وہ سب رونے لگے، نبی کریم ﷺ نے ان کے رونے کی آواز سنی تو آپ بھی رو پڑے، صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو روتا دیکھ کر ہم اور بھی زیادہ رونے لگے، جب رو چکے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جو اللہ کے خوف سے روتا ہے وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا''، کتنی بڑی بشارت ہے، اللہ کرے ہماری زندگی میں وہ لمحات بار بار آئیں کہ ہم خلوت میں ہوں یا جلوت میں، ہمارا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف لگے اور اپنی کوتاہیاں یاد آ کر آنکھوں سے ایک آدھا آنسو ٹپک جائے، تو سمجھو بڑا قیمتی لمحہ ہے چاہے ایک قطرہ ہی نکل آئے بلکہ مکھی کے سر کے برابر ہی آنسو آنکھ میں تیر جائے، انشاء اللہ وہ نہ صرف آنکھ کو بلکہ آنکھ کے صدقے پورے جسم کو دوزخ سے بچالے گا، اس پر جہنم کی آگ حرام کروادیگا۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

فضیلت سے پہلے آپ کو ایک قصہ سنادوں، حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے زاد السعید میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوگا، جب اس کے اعمال تولے جائیں گے تو اس کی نیکیاں ہلکی پڑ جائیں گی اور گناہ بھاری ہو جائیں گے، چنانچہ اسے دوزخ میں جانے کا حکم دیدیا جائے گا، جب وہ بہت ہی مایوسانہ انداز میں وہاں سے لوٹنے لگے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ کے ایک بال کو قوتِ گویائی عطا فرمائیں گے، وہ بال اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے گا اور عرض کریگا: اے اللہ تعالیٰ! میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، میری ایک درخواست سن لیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: بتاؤ کیا ہے؟ وہ عرض کریگا اے اللہ! آپ نے جو حکم سنایا

ہے وہ سر آنکھوں پر لیکن یا الٰہ العالمین! میری درخواست یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ بندہ آپ کے خوف سے رویا تھا تو اگرچہ اس کی آنکھ میں آنسو نہیں آیا تھا لیکن ہلکی سی سیم آئی تھی جو مجھے لگ گئی تھی، میں اس سیم سے نمناک ہو گیا تھا، اور آپ کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ جو خوف خدا سے گیلا ہو جائے بھیگ جائے، اس پر آپ دوزخ حرام فرما دیتے ہیں، یا اللہ! میں اس قاعدے سے مستثنیٰ ہو رہا ہوں، مجھے آپ جہنم سے بچا دیجئے، تو حق تعالیٰ شانہ اس کی درخواست سن کر فرمائیں گے، اچھا تو بھی جہنم سے بری اور جس شخص کا تو بال ہے وہ بھی جہنم سے بری۔

رونے کی نعمت

اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی رونے والی نعمت عطا فرمادے۔ اس نعمت سے ہم محروم ہیں، صبح سے شام تک ایسی افراتفری کی ہماری زندگی ہے کہ ان چیزوں کو سوچنے، اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں لانے، آخرت کی طرف متوجہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کی خشیت سے آنسو بہانے کا خیال ہی دل سے نکل گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے، تین آدمی ایسے ہیں جو جہنم دیکھیں گے بھی نہیں، جانا تو درکنار، پھر فرمایا:

ایک وہ شخص جس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جاگیں جیسے جہاد میں رات کو پہرہ دیا۔

دوسرا وہ شخص جس کی آنکھیں اللہ کے خوف سے رو پڑیں۔

تیسرا وہ شخص جس نے اپنی آنکھوں کو حرام مواقع سے بچا لیا، بدنگاہی اور بدنظری سے اپنی آنکھوں کو بچا کر رکھا۔ جس جگہ اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کو حرام قرار دیا ہے، گناہ قرار دیا ہے، ناجائز قرار دیا ہے، وہاں اس نے اپنی آنکھوں کو نیچے کر لیا تو ایسی آنکھ والا بھی قیامت کے دن دوزخ میں جانا تو درکنار ان شاء اللہ دوزخ کے

قریب بھی نہیں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں ہمیں بھی رونا نصیب فرمائے، وہ رونے والوں کا خاص وقت ہے۔ کسی کا ایک مصرع یاد ہے ؎

دل کی آہیں نہ رہیں قلب کے نالے نہ رہے

یعنی ایک زمانہ تھا کہ آخرت کی فکر اور خوفِ خدا سے لوگوں کے دلوں سے آہیں نکلا کرتی تھیں، اپنے گناہوں پر آنسو بہایا کرتے تھے ؎

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

وہ دکان ہی بند ہوگئی۔ ورنہ پہلے اللہ والوں کا تو خیر ایک خاص مزاج اور مذاق تھا ہی، عام لوگوں کا یہ حال تھا کہ اگر کبھی کسی محلّے سے رات کو کسی کا گزر ہوگیا تو کسی گھر سے رونے کی آواز آرہی ہے، کسی سے ذکر اللہ کی آواز آرہی ہے، کسی گھر سے دعاء کی آواز آرہی ہے، اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قبرستان سے گزر رہے ہیں۔ اب ہمارے گھر قبرستان بن گئے ہیں، اللہ کی یاد کرنیوالے، خدا کا خوف دل میں رکھنے والے، اللہ کے خوف سے رونے والے بہت کم ہو گئے ہیں۔ ہمارے بزرگوں میں سے بہت سے ایسے تھے جو رات کے آخری حصے میں پھوٹ پھوٹ کر رویا کرتے تھے، اگر کوئی ان کے قریب سے گزر جائے تو وہ بھی رونے لگے۔

حضراتِ انبیاء کرامؑ اور اولیاءؒ کا گریہ

ان بزرگوں میں سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ رات کے آخری حصے میں اس طرح روتے تھے جیسے بچہ بلک بلک کر روتا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے خلفاء میں سے حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی آپ میں سے بہت سے حضرات نے زیارت کی ہوگی، وہ بکّاء مشہور تھے، (یعنی بہت رونے والے) ان کے رونے کا عجیب انداز تھا، وہ بیساختہ روتے تھے، اور ایسا روتے تھے کہ دیکھنے والوں کو

حیرانی ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو رونے کی عجیب کیفیت عطا فرمائی تھی، حضرت تھانویؒ کے زمانے سے روتے تھے، آج بھی کیسٹوں میں ان کے رونے کی آواز محفوظ ہے۔ حضرت تھانویؒ کے ایک اور خلیفہ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ سکھر میں تھے، یہ ضحاک مشہور تھے، ہر وقت ہنستے اور مسکراتے رہتے تھے، کسی کی کوئی شان ہے، کسی کی کوئی شان ہے، پھول سارے پھول ہی ہیں، کسی کی خوشبو کیسی اور کسی کی رنگت کیسی؟ یہ اصل میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شانوں کا عکس ہے، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شانیں حضور اکرم ﷺ میں جمع ہیں اور وہاں سے یہ شانیں اولیاء کرام میں حسب استعداد وصلاحیت منتقل ہوئی ہیں۔

حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ واقعہ

حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں دو پیغمبروں کا ذکر ہے، ایک حضرت یحییٰ علیہ السلام کا اور دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا۔ یہ دونوں باہم خالہ زاد بھائی ہیں، رشتہ بھی قریب کا ہے لیکن ان دونوں کی شان الگ الگ ہے، حضرت یحییٰ علیہ السلام پر خشیت الٰہی کا غلبہ تھا، وہ ہر وقت روتے رہتے تھے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان یہ تھی کہ وہ ہر وقت مسکراتے رہتے تھے، ایک دفعہ ان دونوں کی ملاقات ہوئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہا کہ بھائی صاحب! آپ اللہ تعالیٰ سے اتنا کیوں ڈرتے ہیں؟ اتنا خوف کیوں ہے؟ آخر اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم بھی تو ہیں، دیکھئے! آپ نے روتے روتے اپنے رخسار بھی خراب کر لئے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں آپ روتے ہی نہیں، جب دیکھو ہنستے رہتے ہیں، آپکو بھی اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا چاہیئے۔ حالانکہ دونوں اللہ کے نبی ہیں، دونوں برحق ہیں، دونوں کا حال اپنی اپنی جگہ سچا ہے بہر حال، اللہ تعالیٰ نے ان

دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کیلئے ایک فرشتہ نازل فرمایا، اس نے ان دونوں سے عرض کیا کہ اللہ پاک نے مجھے آپ دونوں کی خدمت میں بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کا حال بھی درست ہے اور عیسیٰؑ کا حال بھی صحیح ہے، خشیت الٰہی سے رونا بھی برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مسکرانا بھی سچ ہے، رونا بھی چاہیئے اور مسکرانا بھی چاہیئے، لیکن فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا جو حال ہے وہ تنہائی میں ہونا چاہیئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال جلوت میں ہونا چاہیئے۔ یعنی جب سب کے سامنے ہو تو چہرے پر مسکراہٹ ہونی چاہیئے اور جب تنہائی میں ہو تو اپنے گناہوں پر رونے والا ہونا چاہیئے۔ لہذا ہمارے لئے راہ عمل یہ ہے کہ تنہائی میں اپنے گناہوں، اپنی کوتاہیوں، خامیوں، کمزوریوں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی عدمِ ادائیگی پر رونا چاہیئے، کہ یا اللہ میں بہت خطا کار ہوں، آپ کے احکام کی بجا آوری میں بڑا غافل اور نالائق ہوں، آپ سے معافی چاہتا ہوں، معاف کر دیجئے۔ تنہائی میں یہ جذبہ ہو اور سب کے سامنے چہرے پر مسکراہٹ ہو۔

نجات کا راستہ

ایک حدیث میں ہے کسی صحابی نے جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا "ما النجاة" اے اللہ کے رسول ﷺ! نجات کا راستہ کونسا ہے؟ آپ نے تین باتیں ارشاد فرمائیں:

ایک زبان سے کوئی بیہودہ بات نہ نکلے۔

دوسرے تمہارا گھر تمہارے لئے کشادہ ہو جائے۔ (یعنی جہاں تک ہو سکے اپنے گھر میں رہو)

تیسرے اپنی خطاؤں پر رو۔

تو زبان کو قابو میں رکھنا بلاشبہ ہم سب جانتے ہیں کہ نہایت ضروری ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ننانوے فیصد لوگ زبان کو بے قابو رکھنے کے مرض میں مبتلا ہیں تو شاید مبالغہ نہ ہو۔ اس زبان نے ہم کو بیشمار گناہوں میں مبتلا کیا ہوا ہے، اس میں مرد و عورت تقریباً سب برابر ہیں، پہلے کسی زمانے میں کہا جاتا تھا کہ عورتیں بہت بولتی ہیں اور بہت زیادہ باتیں کرتی ہیں، لیکن اب مردوں کا حال بھی یہی ہے کہ جہاں موقع آجائے پھر زبان ایسی چلتی ہے کہ کسی کی غیبت، کسی پر تہمت، کسی پر الزام، فضول لایعنی تبصرے اور مباحثے، یہ ہماری زندگی کا حصہ بن گئے ہیں۔ نجات کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہم اپنی زبان پر قابو پائیں، جہاں ضرورت ہو جتنی ضرورت ہو اتنی ہی زبان استعمال کریں ورنہ خاموش رہیں۔ الحمد للہ اپنے بزرگوں کو اس پر عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ ہر وقت دین کی باتیں کرتے رہتے تھے حتی کہ جب مطب تشریف لے جاتے تو پہلے وہاں مجلس ہوتی تھی پھر دواخانہ شروع ہوتا تھا، یا تو دین کی بات کرتے ورنہ خاموش اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا بھی یہی حال تھا، بلکہ آخر عمر میں جب حضرت کا ضعف زیادہ بڑھ گیا تو وہاں خاموش مجلس بھی ہوتی تھی، یہ مجلس اکثر فجر کے بعد ہوا کرتی تھی، اور اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ وصال سے چند سال پہلے بعض بزرگوں کو الہام ہوا کہ اب حضرتؒ کے دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے، تو جن کو یہ الہام ہوا یا خواب میں اشارہ ملا، انہوں نے مشورہ دیا کہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے اس چراغ سحری سے جتنا استفادہ کر سکتے ہو کر لو اور جتنا جلد ممکن ہو اس چراغ سے اپنا قلبی چراغ روشن کر لو، ایسا کوئی فارغ وقت نظر نہیں آتا تھا کہ حضرت کی خدمت میں جائیں اور استفادہ کریں، فجر کے بعد

کا وقت کچھ فارغ نظر آیا، چنانچہ حضرت کی اجازت سے فجر کے بعد اس خاموش مجلس کا آغاز ہوا، حضرت نے اپنے خاص محبّین اور مخلصین کو ان کے اصرار پر اس وقت حاضر ہونے کی اجازت دی تھی کہ تم لوگ فجر کے بعد میرے کمرے میں آ جایا کرو، میں اپنے کام میں رہوں اور تم لوگ خاموش بیٹھے رہا کرو، کبھی حضرت لیٹے ہوتے، کبھی بیٹھے ہوتے، لیکن اپنے کام میں مشغول رہتے (یعنی تلاوت یا ذکر میں مصروف رہتے) اور حاضرین حضرت کے سامنے خاموش بیٹھے رہتے، حضرت خود ہی کبھی کچھ ارشاد فرما دیں تو فرما دیں ورنہ یہ وعظ و نصیحت کی معروف مجلس نہیں تھی، لیکن یہ بڑی پُر اثر مجلس تھی، اس میں بھی جس کو جو کچھ ملنا تھا مل گیا۔

اتوار کی مجلس

ایک مجلس اتوار کو ہوا کرتی تھی ساڑھے گیارہ بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک، ابتداء میں دار الافتاء میں ہوا کرتی تھی، پھر یہی مجلس حضرت کی علالت اور کمزوری کی وجہ سے دار العلوم ہی میں حضرت کے کمرے میں ہوا کرتی تھی جہاں حضرت آرام فرما ہوا کرتے تھے۔ حضرت کو اطلاع کر دی جاتی تھی کہ شہر سے لوگ آ گئے ہیں، حضرت باوجود نقاہت اور کمزوری کے آنے والوں کو محروم نہیں فرمایا کرتے تھے، بہرحال حضرت فرماتے تھے اچھا بلا لو، حاضرین سے پورا کمرہ بھر جاتا تھا، حضرت آرام فرما رہے ہوتے تھے، کبھی کبھی فرماتے تھے کہ جب میں تقریر کیا کرتا تھا تو کہا کرتا تھا کہ انسان کے سارے اعضاء تھک جاتے ہیں مگر زبان نہیں تھکتی، دن رات بولتی رہتی ہے، لیکن اب معلوم ہوا کہ زبان بھی تھک جاتی ہے، اسکے اندر بھی بولنے کی تاب نہیں رہتی، لہٰذا صحیح بولو، اللہ کا نام لو، غلط جگہ استعمال نہ کرو، اور میرے حال سے عبرت لو!!

بہرحال، سب سے پہلے زبان کو قابو میں کریں اور اسکو قابو میں کرنے کا ایک

طریقہ یہ ہے کہ جب کسی اللہ والے کے پاس جا کر بیٹھو گے تو پتہ چلے گا کہ وہ کب بولتے ہیں اور کیسے بولتے ہیں۔ زبان سے بہت سارے گناہ ہوتے ہیں، اعضاء و جوارح کے گناہ بھی عموماً اسی کے تابع ہوتے ہیں، بہت سے گناہ پہلے زبان کرتی ہے پھر ہاتھ پاؤں چلتے ہیں، زبان قابو میں آجائے تو اعضاء و جوارح کے ایسے بہت سے گناہ بھی ختم ہو جائیں۔

دوسری کوتاہی ہمارے اندر فضول ادھر ادھر گھومنے اور گھنٹوں دوستوں کے پاس بیٹھنے کی ہے، گھر میں دل ہی نہیں لگتا، کھایا پیا اور باہر نکل گئے۔ ضرورت سے باہر جانے کی ممانعت نہیں ہے، تفریح کے لئے جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ تفریح جائز ہو، لیکن بلاضرورت گھر سے باہر گھومتے رہنے کی عادت مؤمن کی شان نہیں ہے، اگر ہم آخرت کی نجات چاہتے ہیں تو گھر کے اندر وقت گزارنے کی عادت ڈالیں، جب گھر میں رہنے کی عادت ہوگی تو بہت سا وقت بچے گا، اس وقت میں ذکر کریں، تلاوت کریں، علم دین حاصل کریں، اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری کریں، اور اللہ والوں کے واقعات پڑھنے اور ان کی کیسٹیں سننے کا موقع ملے گا جس سے رجوع الی اللہ کی توفیق ہوگی۔

تیسرا عمل اگرچہ وہ گھر کے ساتھ مخصوص نہیں لیکن عموماً گھر کے اندر آدمی کو اس کے لئے آسانی سے وقت مل جاتا ہے، ورنہ مسجد ہو یا جہاں بھی آسانی ہو، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کی دعا کریں اور ان کی تلافی کریں، کسی بندے کا حق اپنے ذمے ہے تو اسے ادا کردیں یا معاف کرائیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی ہوگئی ہے اور نمازیں قضا ہیں، روزے قضا ہیں، زکوۃ ابھی تک ادا نہیں کی، حج فرض ہونے کے باوجود نہیں کیا، تو ان کے ادا کرنے کی فکر کریں اور جو کمی یا کوتاہی رہ گئی ہے

اس پر معافی مانگیں اور آنسو بہائیں۔ ایک بزرگ کی رباعی یاد آگئی ہے ؎

تم اپنے کئے کی مکافات کرلو
جو راہیں بھلا دیں انہیں یاد کرلو
طریقہ صحابہؓ پہ آجاؤ گے تم
تو پھر ساری دنیا پہ چھاجاؤ گے تم

حضرات صحابہ کرامؓ کے نقش قدم تھامنے میں آخرت کی نجات یقینی ہے، اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی شوکت اور غلبہ عطا فرمائیں گے جیسے عطا فرماچکے ہیں۔

جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر

قرآن کریم کی ایک آیت ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم:٦)

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن پتھر اور انسان ہوں گے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پھر اس کی وضاحت فرمائی کہ وہ جہنم جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس کی کیفیت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے جہنم کی آگ کو ایک ہزار سال تک تیز کیا یہاں تک کہ وہ سرخ رنگ کی ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک تیز کیا تو وہ زرد رنگ کی ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک گرم کیا تو وہ سیاہ رنگ کی ہوگئی، اور اب اس کی لپٹیں ختم نہیں ہوتیں، ایک صحابی آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، یہ کیفیت سنکر رونے لگے، ان کے رونے کی وجہ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ

یہ جو صاحب آپ کے سامنے بیٹھے رو رہے ہیں، یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ حبشہ کے رہنے والے ہیں (غالباً حضرت بلالؓ ہوں گے) حدیث میں نام صراحۃً مذکور نہیں ہے) نیک آدمی ہیں۔

حضرت جبرئیل امین نے عرض کیا کہ اللہ پاک فرما رہے ہیں کہ میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم اور عرش پر میرے بلند ہونے کی قسم (اللہ تعالیٰ نے تین قسمیں کھائیں) جو شخص میرے خوف سے اس طرح روئے گا اس پر میں دوزخ حرام کردونگا۔

دو قطرے اور دو نشان محبوب ہیں

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو دو قطرے اور دو نشان سب سے زیادہ محبوب ہیں، ایک خون کا وہ قطرہ جو اللہ کے راستے میں شہید کے جسم سے گرے اور دوسرا آنسو کا وہ قطرہ جو خدا کے خوف سے نکلے۔ یہ دو قطرے اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں، جب قطرہ محبوب ہوگا تو قطرے والا بھی محبوب ہوگا، اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ دعاء کے اول و آخر درود شریف پڑھ لیں تو دعا قبول ہوگی، کیونکہ درود شریف یقیناً قبول ہے تو یہ کریم کے کرم سے بعید ہے کہ اول و آخر کو قبول فرمالیں اور درمیان کو قبول نہ فرمائیں، ایسے ہی یہ بعید ہے کہ قطرہ تو محبوب ہو اور قطرے والا محبوب نہ ہو۔ اصل میں قطرے والا ہی محبوب ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ قطرے کی وجہ سے محبوب ہے اس لئے قطرے کا ذکر ہے۔ اللہ کے خوف سے رونے کی جو محبوبیت ہے وہ سب رونے والوں کے لئے ہے، شہید ہونے کا عمومی موقع تو ہر ایک کے لئے مشکل ہے، مثلاً اسکے لئے جہاد عام ہو اور آدمی اس میں شریک ہو سکے اور اس میں بھی معلوم نہیں شہید ہو کر اسکے خون کا

قطرہ گرے گا یا نہیں، ہوسکتا ہے غازی بن کر لوٹے لیکن اللہ کے خوف سے رونا یہ تو ہر جگہ رونے والے مرد وعورت کو حاصل ہوسکتا ہے۔

اصل رونا دل کا رونا ہے

یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیجئے! رونے سے مراد دل کا رونا ہے، بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی آنکھ میں آنسو تو کیا نیم بھی نہیں آتی اور وہ اس پر شرمندہ رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل اتنے پتھر ہیں کہ ہمیں بالکل رونا نہیں آتا۔ اور بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ذرا سی بات سے آنسوؤں کی لڑیاں بندھ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے اکابر کو، فرمایا رونے سے اصل مراد دل کا رونا ہے، اگر کوئی اپنے گناہوں، اپنی کوتاہیوں اور اپنی خامیوں پر نظر کر کے دل میں نادم ہوتا ہے، اس کا قلب پشیمان ہوتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا اور عرض کرتا ہے یا اللہ! آپ مجھے معاف کر دیجئے، تو ایسا شخص عقلاً رو رہا ہے چاہے آنسو نہ بہائے، اور اگر آنسو بھی نکل آئے تو کیا کہنے۔ بہر حال دل کا رونا مراد ہے، اسکی یہ سند ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر رونا نہ آئے تو رُونے والے کی شکل وصورت بنالے (تو وہ بھی سچ مچ رونے والے کی طرح ہے)

دو نشان اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں: ایک وہ نشان جو اللہ کے راستے میں کسی کو زخم لگنے سے ہو جائے، خواہ زخم اچھا بھی ہو جائے لیکن نشان باقی رہ جائے، اب یہ نشان چاہے چہرے پر ہو یا ہاتھ پر ہو یا ٹانگ پر ہو یا پیٹھ پر ہو یا پیٹ پر ہو، غرض جسم کے کسی بھی حصے پر ہو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔

دوسرا وہ نشان جو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو بجالانے کی وجہ سے جسم پر پڑ جائے، جیسے نماز پڑھنے والوں میں بعض نمازیوں کی پیشانی پر، گھٹنوں پر یا قاعدے میں بیٹھنے

ی وجہ سے پیروں پر نشان پڑ جاتے ہیں، جس کی جلد زیادہ نرم ہوتی ہے اس کے زیادہ اثر ہوتا ہے اور جس کی جلد سخت ہوتی ہے اس کے کم اثر ہوتا ہے، اصل نشان تو وہی ہے جو عمل انجام دینے سے پڑ چکا ہو، چاہے ہمیں نظر آئے یا نہ نظر آئے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھا جا رہا ہے، اگر جسم پر بھی نشان پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اور یہ نشان آج کالا ہے کل چاند کی طرح روشن ہوگا، جس کی وجہ سے حضور ﷺ اپنے امتیوں کو پہچان لیں گے اور اعضائے وضوء کے روشن ہونے کی وجہ سے بھی پہچان لیں گے۔

لیکن عبادت کرنے کی وجہ سے پڑنے والا نشان مراد ہے، تکلف کر کے نشان بنانا مراد نہیں، لہذا کوئی شخص سجدے میں جا کر پیشانی رگڑنے لگ جائے کہ کسی طرح نشان پڑ جائے تو ایسا مصنوعی نشان عند اللہ مقبول نہیں، سنت کے مطابق نماز پڑھنی چاہیئے، اگر نشان پڑ جائے تو سبحان اللہ، ورنہ چاہے نشان ہمیں نظر نہ آئے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں نشان شمار ہوگا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت بہت بڑی نعمت ہے اسے اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کھانے کی قدر کریں

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط

کھانے کی قدر کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

پانی کے اسراف کے گناہ کے بارے میں کچھ تفصیل آپ کے سامنے پیش کی گئی تھی کہ پانی کو فضول ضائع اور برباد کرنا ایک گناہ ہے اور ہم محض اپنی

سستی وغفلت اور کوتاہی کی وجہ سے اس گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں، اس سے بچنے اور احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔

کھانے میں احتیاط

یہی کوتاہی روٹی سالن اور کھانے کے سلسلے میں ہوتی ہے کہ جب کھانا اور روٹی بچ جاتے ہیں تو ان کے بارے میں ہم احتیاط نہیں کرتے اور اُن میں ایسی کوتاہی ہو جاتی ہے جس سے ان نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری معلوم ہوتی ہے، حالانکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں، جو ان نعمتوں سے محروم ہیں، ان سے ان کی قدر پوچھیں، جن کے یہاں پانی نہیں ہے ان سے پانی کی ور جن کے ہاں کھانا نہیں ہے ان سے کھانے کی قدر پوچھیں کہ وہ ان کے لئے کیسے ترس رہے ہیں۔

بہرحال! یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں، ہمیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر محنت و مشقت اور بلا پریشانی کے محض اپنے فضل وکرم سے ضرورت سے زیادہ کھانا دیا ہوا ہے، اس لئے ہم سے یہ ساری غفلت اور سستی ہو رہی ہے، ہمیں اس غفلت وسستی سے بچنے کی شدید ضرورت ہے، کیونکہ جہاں اس کے اور بہت سے وبال ہیں، وہاں ایک وبال یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ آدمی دانے دانے کو ترس جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھیں، آمین۔ اور پھر بعض آدمی وظیفے پڑھ پڑھ کر تھک جاتے ہیں، دعائیں کروا کروا کر بظاہر مایوس ہو جاتے ہیں، لیکن فراخی وکشادگی کا دروازہ نہیں کھلتا، کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کو

بہت مہلت دی تھی اور ان کے ساتھ بڑے عفو و درگزر کا معاملہ فرمایا تھا، مگر جب یہ حد سے بڑھ گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمالی اور جب اللہ تعالیٰ کسی کی گرفت فرماتے ہیں تو پھر کوئی اس سے چھڑانے والا نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہوتی ہے جیسا کہ اس کی رحمت بہت وسیع ہے، اس لئے اس سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اس کی ان تمام نعمتوں کی دل سے قدر کرنی چاہئے۔

نعمتوں کی قدر بزرگوں سے سیکھیں

ان نعمتوں کی قدر بھی بزرگوں کی صحبت و خدمت میں رہنے سے نصیب ہوتی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہ کی خاص تعلیمات میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اِن چھوٹی چھوٹی نعمتوں کی بہت قدر کی جاتی تھی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

> مجھے بڑی حیا آتی ہے کہ کھانے کی جس نعمت کے کثیر اجزاء سے میں سیر ہوا اور انہیں کھا کر میں نے اپنی بھوک مٹائی اور ان سے لذّت وفرحت حاصل کی، اب اس کے تھوڑے سے ذرّات جو بچ گئے ہیں، ان کو ضائع کروں، ان کو ضائع کرتے ہوئے میرا دل لرزتا ہے کہ جس نعمت کے اکثر حصے سے میں لطف اندوز ہوا ہوں اس کے کم

حصے کو میں ضائع کردوں۔

دستر خوان پر اسراف

ہمارے دسترخوان کی حالت یہ ہے کہ اس پر موجود کھانے پینے کی چیزوں میں حددرجہ اسراف پایا جاتا ہے، کیونکہ اس کی بہت ساری چیزیں بلاوجہ ضائع کر دی جاتی ہیں، حالانکہ دسترخوان پر بچی ہوئی چیزیں نہ صرف جانوروں کے کام کی ہیں بلکہ انسانوں کے بھی کام آسکتی ہیں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ان بچی ہوئی چیزوں کو نہ دوسرے لوگوں کو استعمال کرنے کے لئے دیتے ہیں اور نہ ہی جانوروں کے سامنے ڈالتے ہیں بلکہ یونہی ضائع کر دیتے ہیں اور نالی میں بہادیتے ہیں یا کوڑے کے ڈبے میں ڈال کر ضائع کر دیتے ہیں، یہ کس قدر خوف اور ڈر کی بات ہے کہ کس بے دردی سے ہم اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کر رہے ہیں۔

حضرت میاں صاحبؒ کا واقعہ

ہمارے شیخ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ سنایا تھا جو میں ابھی آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔

یہ واقعہ حضرت کے استاذِ محترم جناب حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو کہ دارالعلوم دیوبند میں مدرّس تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ میرے صرف استاد ہی نہیں تھے بلکہ مجھ پر بہت ہی

زیادہ شفیق اور مہربان بھی تھے اور میرا ان کے ساتھ کچھ کاروبار بھی تھا اور اکثر ان کے یہاں آمدورفت بھی رہتی تھی، اس لئے استادِ محترم سے میری کچھ بے تکلفی بھی تھی، ایک مرتبہ میں حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا اور وہاں کچھ دیر قیام کیا، اس دوران حضرت کے ساتھ کھانا بھی کھایا، کھانا کھانے کے بعد میں نے کہا کہ حضرت! میں دسترخوان جھاڑ آتا ہوں، تو استادِ محترم نے فرمایا کہ پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں دسترخوان جھاڑنا آتا بھی ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ حضرت! یہ بھی کوئی فن ہے جو دسترخوان جھاڑنے کے لئے ضروری ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی! اس کا بھی طریقہ ہے اور پھر خود حضرت میاں صاحبؒ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ اِس دسترخوان پر سے پہلے میں ہڈیاں الگ کرتا ہوں پھر چھیچھڑے علیحدہ کرتا ہوں اور پھر روٹی اور بوٹی کے بڑے بڑے ذرّات علیحدہ اور چھوٹے چھوٹے ذرّات علیحدہ کرتا ہوں اور پھر پھل وغیرہ مثلاً آم کے چھلکے ہوں تو انہیں الگ کر لیتا ہوں اور پھر ان میں سے ہر ایک کے رکھنے کی الگ الگ جگہیں مقرر ہیں۔ سبحان اللہ۔ فرمایا کہ ہڈی کی ایک جگہ مقرر ہے، وہاں پر ایک کتا آتا ہے، یہ ہڈی اس کی غذا ہے، وہ آکر اس ہڈی کو چباتا ہے اور اس میں اس کی جو غذا ہوتی ہے وہ اس کو حاصل کر کے واپس چلا جاتا ہے۔ اور چھیچھڑے وغیرہ دوسری جگہ رکھتا ہوں، وہاں پر بلّی آتی ہے اور جو کچھ اس میں کھانے کا حصّہ ہوتا ہے، وہ اس کو حاصل کر لیتی ہے۔ اور روٹی اور بوٹی کے بڑے بڑے ذرّات فلاں جگہ رکھتا ہوں تاکہ وہاں سے پرندے اپنی خوراک

حاصل کرلیں اور چھوٹے چھوٹے اور باریک ذرّات فلاں جگہ درختوں کی جڑ میں ڈالتا ہوں جہاں پر چیونٹیوں کے گھر ہیں، تاکہ وہاں سے یہ چیونٹیاں اپنی غذا لے لیں۔ اور چھلکوں کے بارے میں یہ معمول ہے کہ یہ میں فلاں جگہ ڈالتا ہوں جہاں سے بکریوں کا گزر رہتا ہے، تاکہ وہ انہیں کھا کر پیٹ بھرلیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت معلوم ہوا کہ دسترخوان کے لئے بھی اتنے علم وفن کی ضرورت ہے، اسے یونہی کوڑے میں ڈال دینا مناسب نہیں ہے، بلکہ اس کے جھاڑنے کا بھی ایک طریقہ ہے کہ دسترخوان پر اگر کچھ گرا ہے تو وہ ضائع نہیں ہورہا بلکہ محفوظ ہے اور کس قدر حسنِ انتظام سے کہاں کہاں اور کس کس کو اس کی غذا پہنچائی جارہی ہے کہ اس غذا میں جتنا اپنا حصّہ تھا وہ لے لیا اور پھر دوسری مخلوقِ خدا کا جو حصّہ تھا وہ ان تک پہنچا دیا۔ سبحان اللہ!

آموں کا واقعہ

ایک اور قصّہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آموں کے سلسلے میں سنایا تھا کہ آم کے موسم میں حضرت کے ہاں بہت آم آیا کرتے تھے اور ہم بے تکلّفی کی وجہ سے حضرت کے ہاں جاکر خوب آم کھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم نے آم کھائے تو آم کے کھانے کے بعد چھلکوں کے بارے میں حضرت نے بڑی عجیب وغریب بات ارشاد فرمائی کہ ان چھلکوں کو یونہی باہر نہیں پھینکنا چاہئے،

بلکہ اس کے پھینکنے کا بھی ایک طریقہ ہے، وہ یہ ہے کہ میں جس محلے میں رہتا ہوں اس میں اکثر لوگ غریب ہیں اور ان کو اتنے آم میسّر نہیں آتے جتنے اللہ پاک محض اپنے فضل وکرم سے مجھے عنایت فرماتے ہیں، یہ بے چارے غریب لوگ ہیں، کبھی آم مل گیا تو ٹھیک ہے اور نہ ملا تو نہ سہی، تو ایسے غریب علاقے میں کسی کے ہاں اگر خوب آم ہوں اور وہ ان کو چوس کر گھر کے باہر چھلکوں کا ڈھیر لگا دے تو محلّے میں کھیلنے والے بچوں اور محلّہ کے غریبوں کا دل کڑھ سکتا ہے کہ افسوس ہم اس نعمت سے محروم ہیں۔

لہٰذا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ آم کے چھلکے اور گٹھلیاں علیحدہ علیحدہ رکھتے تھے۔ اور آپ حضرات میں سے جو پرانے لوگ ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اس زمانے میں غربت کی وجہ سے آم کی گٹھلی بھون کر کھائی جاتی تھی اور وہ بڑی مزیدار لگتی تھی، تو غریب لوگ گٹھلیاں ہی بھون کر کھا لیتے تھے کہ آم میسّر نہ آئے تو چلو اس کی گٹھلی ہی سہی۔ بہر حال، حضرت چھلکے اور گٹھلیاں الگ الگ رکھتے تھے اور پھر چھلکے بھی ایک جگہ نہیں ڈالتے تھے، بلکہ مختلف جگہیں ان کے لئے مقرر کی تھیں اور یہ عموماً وہ جگہیں تھیں جہاں سے بکریوں کا گزر ہوتا تھا۔ اور پھر ان جگہوں پر کچھ کچھ فاصلے پر دور دور یہ چھلکے ڈالتے تھے، دور دور اس لئے ڈالتے تھے تاکہ محلّے کے بچوں اور محلّے کے غریبوں کو یہ احساس نہ ہو کہ ان کے گھر میں اتنے آم آئے اور انہوں نے اتنے سیر ہو کر آم کھائے ہیں اور ہمیں تو دیکھنے کو بھی نہیں ملے اور ان کا دل نہ دکھے، تو ان کے دل کو تکلیف سے بچانے کے لئے متفرق جگہوں پر ڈالتے

تھے۔ اور بکریوں کی گزرگاہوں میں ڈالنے کی وجہ یہ تھی تاکہ وہ آسانی سے انہیں کھاسکیں اور وہ ضائع ہونے سے محفوظ رہیں۔ اور گٹھلیاں محلّے میں مختلف جگہوں پر اس لئے رکھتے تھے کہ بچے وہاں کھیلتے ہیں، کھیلنے کے بعد وہاں سے وہ گٹھلیاں لے کر بھون کر کھالیں، اس طرح حضرت گٹھلی بھی ضائع نہیں فرماتے تھے۔

دین کی فہم مانگیں

اللہ تعالیٰ اللہ والوں کو ہی یہ فہم اور سمجھ عطاء فرماتے ہیں اور اسی کا نام دین کی سمجھ ہے۔ اور جب دین کی سمجھ آ جاتی ہے تو پھر اس طریقے سے انسان معمولی معمولی چیزوں کی قدر کرتا ہے اور قدر کر کے ان سے بھی نفع اٹھالیتا ہے۔ دیکھئے! حضرت کے کھانے کے دستر خوان اور آم کے دستر خوان کی کوئی بھی چیز ضائع نہیں ہوئی کہ مغز خود کے کام میں آ گیا اور گٹھلیاں اور چھلکے دوسری مخلوق کے کام آ گئے۔ یہ دین کی فہم ہے اور اس طرح عمل کرنا یہ تفقہ فی الدین ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عطاء اور اس کا خاص انعام ہے۔ اس لئے یہ دعا ہمیں گڑگڑا کر کرنی چاہئے:

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْنَا فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْنَا التَّاوِیْلَ۔

یا اللہ! ہمیں تفقہ فی الدین عطا فرما اور دین کی فہم عطا فرما۔

کیونکہ ہمارا دین یہ بہت بڑی نعمت اور دولت ہے، اس کا تو ہر ہر جز حسنات سے بھرا ہوا ہے، انگلی چاٹنے کا علیحدہ ثواب اور فائدہ، پلیٹ صاف

کرنے کا الگ ثواب اور فائدہ، اس کے بعد کُلّی کرنے کا الگ ثواب اور فائدہ، خلال کرنے کا الگ ثواب اور فائدہ اور دسترخوان پر جو چیز نیچے گر جائے تو اس کو اٹھا کر کھانے کا علیحدہ ثواب، اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ کیا چیز ضائع ہو رہی ہے، بس سمجھ ہونی چاہئے کہ سمجھیں اور سمجھ کر عمل کریں، بس یہی سب کچھ ہے ورنہ خالی جاننے سے کیا ہوتا ہے۔

نالی میں سے روٹی کا ٹکڑا اٹھا کر کھانا

مجھے ایک واقعہ اور یاد آیا، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ وضو فرما رہے تھے اور آپ کا غلام آپ کو وضو کرا رہا تھا، دورانِ وضو آپ نے دیکھا کہ نالی میں روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا ہے اور اس پر نجاست لگی ہوئی ہے، آپ نے جلدی سے اُس ٹکڑے کو وہاں سے اٹھایا اور پانی سے اس کی نجاست کو دور کیا اور اس کو صاف اور پاک کیا اور غلام سے کہا کہ اس کو ہاتھ میں رکھو، جب میں وضو سے فارغ ہو جاؤں تو یہ ٹکڑا مجھے دیدینا۔ جب آپ وضو سے فارغ ہوئے تو غلام سے وہ روٹی کا ٹکڑا مانگا، اس غلام نے کہا کہ حضرت! وہ تو میں نے کھا لیا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ جا تجھے میں نے اللہ کے لئے آزاد کر دیا۔ غلام یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا اور کہنے لگا کہ حضرت! ایسا میں نے کونسا بڑا عمل کیا ہے کہ آپ نے مجھے یک بیک فوراً آزاد کر دیا، حضرت! اگرچہ میرے لئے یہ آزادی ہزار عیدوں سے بڑھ کر ہے لیکن مجھے اپنا ایسا کوئی عمل نظر نہیں آ رہا کہ جس پر آپ نے مجھے یہ انعام بخش دیا۔ حضرت

حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے نانا جان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ جو شخص روٹی کا ٹکڑا اس طریقے سے ناپاکی یا گندگی کی جگہ میں دیکھے اور پھر اس کو اٹھا کر پاک وصاف کر کے کھالے تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ نعمت مجھے ملی تھی، میں نے یہ سوچا تھا کہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد میں اس کو کھا کر یہ فضیلت حاصل کرلوں گا، اب چونکہ یہ نعمت اور فضیلت تم نے حاصل کر لی تو اب تم گویا جنّتی ہو گئے اور اب میرے لئے کیسے مناسب ہے کہ میں کسی جنّتی آدمی سے خدمت لوں ''اللہ اکبر'' چونکہ اہل مغفرت اور اہل جنّت سردار ہیں اور مخدوم ہیں اور تم اس عمل کی وجہ سے سردار ہو گئے، اس لئے میں نے تمہیں آزاد کر دیا۔

ہماری بے حسی

ہم دسترخوان کی نعمتوں کی ناقدری کر رہے ہیں اور اس کا ہمیں احساس تک نہیں ہے۔ پلیٹیں صاف کرتے ہوئے ان کے اندر موجود روغن کو اس بیدردی اور بے حسی سے ہم ضائع کرتے ہیں کہ اَلْاَمَانُ وَالْحَفِیْظ اور اس روغن کی انتہائی ناقدری کی جاتی ہے۔ ناقدری یہ ہے کہ اس کو ہم نالی میں بہا دیتے ہیں، اگر آپ کو دل کی تکلیف ہے یا شوگر کی بیماری ہے یا خدانخواستہ کوئی اور تکلیف ہے اور روغن آپ کے لئے مضر ہے تو آپ روغن کو علیحدہ پیالی میں جمع کرلیں۔

آج کل حال یہ ہے کہ ہر آدمی روغن سے بہت ہی پرہیز کرنے لگا

ہے، معلوم نہیں کہ چکنائی کھانے سے کیا ہو جائے گا؟ اگر واقعتا کوئی مریض ہے، اس کو تو ڈرنا صحیح ہے، لیکن جو مریض نہ ہو، اس کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر آج کل یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض نوجوان بالکل صحیح وتندرست ہیں، جنہیں کوئی بیماری نہیں ہے، وہ بھی بیچارے ڈر کے مارے روغن سے بہت بچتے ہیں، روغن اگرچہ تھوڑا سا ہی ہو، وہ اس کو بھی الگ کریں گے اور سادہ سالن کھائیں گے۔ اللہ کے بندو!! ایسا بھی ڈرنے کی کیا ضرورت ہے، وہ بھی ایک نعمت ہے، مریض کے لئے اگرچہ مضر ہے لیکن جو مریض نہیں، اس کے لئے تو وہ مفید ہے، ہاں یہ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ روغن ہی روغن پینا شروع کر دیں جیسا کہ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کے سالن میں مصالحے وغیرہ کا نام و نشان نہیں، بس روغن ہی ہوتا ہے، ایسا بھی نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ بذاتِ خود کھانے کی چیز نہیں ہے بلکہ کھانے میں لذّت پیدا کرنے کے لئے ہے، اگر بغیر روغن کے کھانا پکایا جائے تو وہ لذیذ اور مزیدار نہیں ہوگا۔ بہرحال! روغن بذاتِ خود کھانے کی چیز نہیں ہے، لیکن اس قدر ڈرنے اور بچنے کی بھی ضرورت نہیں ہے جس طرح عام لوگ اس سے ڈ رہے ہیں، ہاں مریض کا معاملہ اس سے جدا ہے، وہ پرہیز کرسکتا ہے، لیکن مریض کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس روغن کو نالی میں ضائع اور برباد کرے، جس کو ڈاکٹر نے احتیاط کے لئے کہا ہے وہ احتیاط کرے۔ خلاصہ یہ کہ روغن کے ساتھ بڑی بے احتیاطی ہو رہی ہے۔

بہرحال! ہمیں کھانے کی چیزوں کے استعمال میں محتاط ہونے کی

ضرورت ہے اور جو چیزیں ہمارے لئے مضر ہوں اور ہم ان کو استعمال نہیں کرسکتے تو وہ کسی اور کے کام آ جائیں، مثلاً یہی بچا ہوا روغن ہے، اگر اس کو ہم محفوظ کرلیں تو یہ کہیں نہ کہیں ضرور کام آ جائے گا، کبھی سالن میں، کبھی چاولوں میں اور کبھی تلائی وغیرہ میں کام آ سکتا ہے، گھریلو عورتیں اس کے استعمال سے خوب واقف ہیں۔ گھر کے اندر ان نعمتوں کی قدر کی جائے تو ہمارا اچھا خاصا خرچ بچ سکتا ہے اور اگر ہم بچے ہوئے سالن کو، بچی ہوئی روٹی کو اور بچے ہوئے روغن کو یونہی ضائع کرتے رہیں تو اِسراف کا گناہ بھی ہوگا اور ساتھ ساتھ اس نعمت کی ناقدری بھی ہوگی اور اس ناقدری کے نتیجے میں بے برکتی اور پھر اس بے برکتی کے نتیجے میں انسان پر فقر و افلاس مسلّط ہوسکتا ہے۔ دیکھئے! ان چیزوں کے ضائع کرنے میں دین و دنیا دونوں اعتبار سے نقصانات ہی نقصانات ہیں، اس لئے ہمیں اپنے دسترخوان کا جائزہ لے کر ان چیزوں کو ضائع کرنے سے بچنا چاہئے۔

چاول کھانے میں احتیاط

اسی طرح چاول کھانے میں بچوں سے تو بے احتیاطی ہوتی ہی ہے، بعض بڑے بوڑھے بھی اس میں احتیاط نہیں کرتے، چاول کھانے کا سلیقہ ان میں نظر نہیں آتا، جس کی ایک وجہ یہ ہے جس کو چاول کھانے کا طریقہ آتا ہو وہی دوسرے کو سکھائے گا، تو جن ماؤں کی آغوش میں انہوں نے پرورش پائی ہے انہیں خود چاول وغیرہ کھانے کا طریقہ معلوم نہ تھا تو وہ بچوں کو کیا سکھاتیں،

لیکن کسی نے سکھایا ہو یا نہ سکھایا ہو، اب تو اللہ نے عقل وسمجھ اور فہم دیدی ہے اور سن بھی لیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کی ناقدری نہیں کرنی چاہئے تو اب تو اس میں احتیاط کرنی چاہئے اور اس طریقے سے چاول کھانے چاہئیں کہ دسترخوان پر گرنے نہ پائیں اور اگر گر بھی جائیں تو انہیں اٹھا کر کھانے کی یا کسی دوسری پلیٹ میں جمع کرنے کی عادت ہونی چاہئے۔

کھانے کی دیگر اشیاء میں بے احتیاطی

اسی طرح چاول کے ساتھ بھی بہت بے احتیاطی ہوتی ہے، اکثر لوگ ہڈی اور مصالحے سے چاول کو الگ کئے بغیر ہڈی وغیرہ پھینک دیتے ہیں اور اس کے ساتھ لگے ہوئے چاول ضائع کر دیتے ہیں، اس طرح ہڈی اور گرم مصالحہ کے ساتھ بیسیوں چاول کوڑا دانی میں پھینک دیتے ہیں۔ یہ نعمت کی سخت ناقدری ہے، اس طرح چاول کھائیں کہ سب چاول کھانے میں آ جائیں اور نیچے دسترخوان پر کوئی چاول نہ گرے اور نہ ہی کوئی چاول ہڈی کے ساتھ جائے اور نہ خراب بوٹی کے ساتھ اور نہ ہی مصالحے کے ساتھ کوئی چاول ضائع ہو، بلکہ جو نعمت اپنے استعمال کی ہے اسے خود استعمال کریں اور جو اپنے استعمال کی نہیں ہے اسے جانور وغیرہ کے لئے الگ رکھ لیں، اور پھر دسترخوان کو اس طرح جھاڑیں کہ کھانے کے اجزاء جانوروں کے کام آ جائیں، کیونکہ پرندے، چیونٹیاں اور چڑیا وغیرہ سب انہیں کھاتے ہیں، آپ جب چاہیں اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ یہ خیال رہے کہ اسے مٹی میں نہ ڈالیں، ڈالنے کی جگہ یا تو ٹین

کی چادر ہو یا کاغذ ہو مگر کاغذ لکھا ہوا نہ ہو، کیونکہ یہ بھی بے ادبی کی بات ہے، بعض لوگ اخبارات وغیرہ پر اس قسم کی بے ادبی کر لیتے ہیں، یہ بھی مناسب نہیں۔ بہرحال ایسی جگہ پر ان کو ڈالیں کہ مٹی نہ مل پائے تو آپ خود اس کا مشاہدہ کریں گے کہ جو کچھ آپ نے ڈالا تھا وہ سب کا سب چرند پرند وغیرہ کھا گئے اور وہ جگہ بالکل صاف پڑی ہوئی ہوگی۔ ہم دارالعلوم میں تو الحمدللہ اس کا روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ رات کو کچھ رکھتے ہیں تو صبح کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کچھ رکھا ہی نہ تھا، جس کو جب موقع ملتا ہے وہ اپنا حصہ لے جاتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں ثواب واجر بھی ملتا ہے، برکت بھی ہوتی ہے اور اس بات پر دل بھی خوش ہوتا ہے کہ الحمدللہ کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی۔

نعمتوں کو ضائع نہ کریں

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو تمام نعمتیں ہمیں عطا فرمائی ہوئی ہیں، ان سب میں یہی بات ہے کہ انہیں ضائع نہ ہونے دیں۔ پیسوں میں بھی یہی بات ہے کہ پیسے پہلے تھوڑے سے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے فراوانی عطا فرما دی ہے، تو اب ایک یا دو روپے کے بوسیدہ نوٹوں کی ناقدری دل میں آنے لگتی ہے، اگر کہیں گر جائیں تو کچھ لوگ ان کے اٹھانے کو عار سمجھنے لگے ہیں اور کہیں گرے پڑے ہیں تو انہیں اٹھانے میں قباحت محسوس ہوتی ہے، حالانکہ ان کی بھی قدر کرنی چاہئے، کیونکہ یہی ایک یا دو یا پانچ کے نوٹ جو کل تک ہمیں دیکھنے کو بھی نہیں ملتے تھے، آج ہم ان کو حقیر اور کمتر سمجھ رہے ہیں۔ بچپن میں

حضرت والد صاحبؒ اگر ایک روپیہ ہمیں دیتے تھے تو اسی پر ہم نجانے کتنی خوشی منایا کرتے تھے اور آج اللہ تعالیٰ نے وسعت و فراخی عطا فرمادی ہے تو آج اسی روپے سے یہ بے نیازی برتنا کتنی بڑی ناانصافی کی بات ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ ایک روپیہ اُسی بڑے نوٹ کا ہی ایک جز ہے، اگر اس روپے کی ناقدری کی تو یہ اُس بڑے نوٹ کی بھی ناقدری و ناشکری ہوگی، پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بڑے نوٹ بھی ملنے بند ہو جائیں اور پھر تم ان کے پیچھے پیچھے پھرو گے تو وہ بھی پھر نہ ملیں گے، اس لئے یہ بڑے ڈرنے کی بات ہے۔

پیسوں کی قدر

اس لئے اگر کہیں کوئی پیسہ گر جائے، چاہے چونّی ہو یا اٹھنّی یا ایک روپیہ، اس کا حق یہ ہے کہ اس کو کچھ تلاش کیا جائے اور تلاش کے بعد اگر مل جائے تو اسے اٹھالیا جائے اور اس کو احتیاط سے رکھ لیا جائے اور نہ ملے تو پھر سمجھیں کہ چلو گم ہوگیا، صبر کریں اور اناللہ پڑھیں۔

ہر نعمت کے محتاج

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا:

رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ۔

اے میرے رب! جو خیر بھی آپ مجھے عطا فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ نعمت چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، سب ہی کے ہم فقیر و

محتاج ہیں اور ضرورتمند ہیں اور ضرورت مند کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ بیدردی سے اس کو خرچ کر دے، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسے بہت ہی احتیاط سے اٹھاتا ہے اور احتیاط سے رکھتا ہے اور بہت ہی احتیاط سے استعمال کرتا ہے۔

کاغذوں اور لفافوں کے استعمال میں احتیاط

اور جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا چھوٹی بڑی سب نعمتوں کے بارے میں یہی معمول تھا کہ انہیں نہایت احتیاط سے خرچ کرتے تھے، کاغذوں کے بارے میں بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی معمول تھا کہ جو کاغذ کے ٹکڑے بچ جاتے تھے، حضرت ان کو کاٹ کر علیحدہ رکھ لیتے تھے، جب بعد میں چھوٹے بڑے مختلف کاغذوں کی ضرورت پڑتی تھی تو پھر یہی ٹکڑے استعمال میں آتے تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک اور عجیب وغریب معمول یہ تھا کہ ڈاک کے لفافے کو دو بار استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کی ترتیب اس طرح تھی کہ اس لفافے کو کھلوا کر الٹا کر کے دوبارہ چپکا لیا جاتا تھا، اس طرح ایک اور نیا لفافہ بن جاتا تھا، پہلے والا لکھا ہوا حصہ اندر ہو جاتا اور اندر والا سادہ حصہ اوپر ہو جاتا، کونے پر ٹکٹ لگا کر روانہ کر دیا جاتا تھا، سبحان اللہ۔ عام طور سے لوگ اس لفافے کو ایک مرتبہ استعمال کر کے پھینک دیتے ہیں مگر حضرت کے ہاں یہ معمول تھا۔ حضرت کے زمانے میں ہی ایک انگریز نے یہ الٹا لفافہ استعمال

ہوتے دیکھا تو حیران رہ گیا کہ یہ کون شخص ہے جس نے اتنی ہوشیاری، مہارت اور خوبی کے ساتھ یہ الٹا لفافہ استعمال کیا اور اس نے اس پر تعریف کی اور کہا کہ اگر ہمیں پہلے یہ معلوم ہو جاتا تو ہم اس بات پر لوگوں کو پابند کرتے کہ لفافے کو دو بار استعمال کئے بغیر نہ پھینکا جائے۔

حضرت والاؒ کے یہاں معمول

یہی دونوں باتیں ہم نے اپنے حضرت سیدی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دیکھیں کہ دارالعلوم کے دارالافتاء میں تمام لفافے الٹے کر کے باقاعدہ چپکا کر رکھے جاتے تھے، پھر وہ لفافے ڈاک کے بھی کام آتے تھے اور دستی بھی کام آتے تھے۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے کمرے میں رات دن چونکہ پڑھنے لکھنے کے کام میں مصروف رہتے تھے، تو چھوٹے بڑے کاغذ کے ٹکڑے ایک کانٹے میں لٹکے رہتے تھے اور نجانے کتنے کام ان کاغذ کے ٹکڑوں سے ہو جاتے تھے، جب ضرورت ہوتی تھی تو سامنے لٹکے ہوئے ان ٹکڑوں سے نکال کر استعمال کر لیتے تھے، اور جو لوگ یہ ٹکڑے محفوظ نہیں کرتے وہ اس سلسلے میں پریشان رہتے ہیں کہ اب کہاں سے کاغذ لائیں، اب یا تو کاپی میں سے پھاڑتے ہیں یا رجسٹر میں سے پھاڑتے ہیں، تو اس طرح پھاڑنے سے کاپی اور رجسٹر دونوں ہی خراب ہو جاتے ہیں اور ان کی عمر بھی کم ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ ناقدری اور بے احتیاطی کا نتیجہ ہے، ان بزرگوں سے ان نعمتوں کے استعمال کے طریقے سیکھنے چاہئیں، کیونکہ ہمارے

گھروں اور کمروں میں بھی بہت سے کاغذ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

حاصل یہ کہ ملبوسات، مطعومات اور مشروبات وغیرہ تمام چیزوں میں ہم یہ اصول اپنالیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں قابل قدر ہیں، اسی طرح چھوٹی چھوٹی نعمتیں بھی قابل قدر اور قابل شکر ہیں، اور اس بات کا دھیان اور فکر ہونی چاہئے کہ ہمارے ہاتھ سے یا ہمارے کسی عمل سے کوئی نعمت ضائع تو نہیں ہو رہی، اگر خدانخواستہ ضائع ہو رہی ہے تو اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگیں، توبہ و استغفار کریں اور آئندہ کے لئے اس میں احتیاط کریں اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو بہت ہی سنبھال کر رکھنے کی کوشش کریں، تو اس سے جو برکت حاصل ہوتی ہے وہ بتانے سے سمجھ میں نہیں آسکتی، اس کا تعلق تجربے سے ہے، جو تجربہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو احتیاط سے استعمال کر کے قدر کرے گا تو ایک عرصہ اس پر عمل کرنے کے بعد وہ مشاہدہ کرے گا کہ یہ کتنی بڑی نعمت اور دولت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی برکت ہوتی ہے۔

بہرحال! سب چیزوں میں اس بات کا خیال رکھیں کہ کوئی چیز ضائع و برباد نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

✿✿✿

پانی کی قدر کریں

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

پانی کی قدر کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ : اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْآ اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا O

صدق اللّٰہ العظیم۔ (سورۃ الاسراء، آیت ۳۷)

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین!

ہم سب کو سب سے زیادہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، یہ بہت ہی اہم عمل ہے اور اس کے فوائد و برکات بے شمار ہیں، اس کے لئے نہ پیسہ خرچ ہوتا ہے نہ وقت خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی طاقت خرچ ہوتی ہے، اس میں خرچ تو کچھ بھی نہیں ہوتا مگر فوائد بہت ہی زیادہ اور عظیم ہیں۔ اور گناہوں سے بچنے کی کوشش ہم میں سے ہر ایک شخص کر سکتا ہے، اور اس کوشش کے نتیجے میں اللہ کے فضل و کرم سے ہم گناہوں سے بچ جائیں گے، یہ خود بہت بڑی دولت ہے، لیکن بچنے کی کوشش کے باوجود اگر غلطی ہو گئی اور گناہ ہو گیا تو توبہ کرنے کی توفیق ہو جائے گی۔ بہر حال! گناہوں سے بچنا یہ بڑی نعمت ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اسی کے فضل و کرم اور اسی کی توفیق سے ہم گناہوں سے بچے اور اگر غلطی ہو گئی تو سچے دل سے توبہ کر لیں، توبہ نصیب ہونا بھی بڑی دولت اور بڑی نعمت ہے۔

بہر حال گناہ چاہے بڑے ہوں یا چھوٹے سب سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس لئے کہ گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے انگارہ، بڑے گناہ کی مثال جیسے بڑا انگارہ اور چھوٹے گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے چنگاری، اب چاہے انگارہ ہو یا چنگاری دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے، اور یہ بات کوئی بیوقوف ہی کہے گا کہ انگارے سے تو بچو لیکن چنگاری جیب میں رکھ لو یا اس کو اپنے پیسوں میں رکھ لو یا اپنے بستر اور کمبل میں چھپا لو، کیونکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ جس طرح انگارے

سے آگ لگتی ہے اسی طرح چنگاری سے بھی آگ لگ سکتی ہے، جس طرح انگارے سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، اسی طرح چنگاری سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہئے کیونکہ یہ چنگاری ہی بڑھ کر انگارہ بن جاتی ہے اور پورے گھر کو جلا کر خاک کر دیتی ہے، اور شروع میں تو چنگاری ہی نکلتی ہے، اُسی سے آگ لگنے کے بعد پھر انگارے اور آگ کی بڑی بڑی لپٹیں نکلتی ہیں، اس لحاظ سے چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

وضو میں بے احتیاطی

آج میں ایک گناہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے اوراس کی طرف توجہ بہت ہی کم ہے۔ **اور**..... وہ گناہ "پانی کو ضائع کرنا" ہے، .... یہ گناہ بھی بہت ہی زیادہ عام ہو گیا ہے اور ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، خاص طور پر وضو کے دوران بہت زیادہ پانی ضائع کیا جاتا ہے اور پانی کا اسراف بلا شبہ ایک گناہ ہے اور اگر اس گناہ کی عادت پڑ جائے تو اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے اور اس وقت حالت یہ ہے کہ اس گناہ کی عام عادت بن گئی ہے۔

اسراف کی عادت کی وجہ

یہ عادت غالباً اس وقت سے زیادہ بنی ہے جب سے نلکے لگے ہیں، اللہ تعالیٰ نے نلکا ہمیں ایک نعمت دی ہے جس کی وجہ سے ہمیں پانی کے استعمال میں

بڑی آسانی اور سہولت ہوگئی ہے، اس سے پہلے یہ سہولت نہیں تھی، کیونکہ پہلے مٹکے اور بالٹی وغیرہ میں سے وضو کے لئے پانی لیا جاتا تھا پھر پتیلی وغیرہ میں ڈال کر اس کو گرم کیا جاتا تھا، اگر زیادہ گرم ہو جائے تو ٹھنڈا ملانا پڑتا تھا، پھر لوٹے میں بھر کر ہاتھ منہ دھوتے تھے یا وضو کرتے تھے اور کپڑے وغیرہ دھوتے تھے، اس وقت کافی مشقت تھی، لانے کی مشقت، رکھنے کی مشقت اور استعمال کی مشقت، گویا مشقت ہی مشقت تھی، اللہ پاک نے پائپ لائن کی صورت میں ایسی نعمت عطا فرما دی کہ اب گھر گھر میں ہر بیت الخلاء اور غسل خانے اور باورچی خانے میں اور بیسن میں اور جہاں ضرورت ہو وہاں پائپ لائن پہنچ رہی ہے، ٹھنڈے پانی کی لائن بھی موجود ہے اور گرم پانی کی بھی موجود ہے، اب نہ ٹھنڈا پانی لانے کی ضرورت ہے اور نہ گرم پانی کرنے کی ضرورت ہے، مسجدوں میں بھی ٹھنڈا گرم پانی موجود ہے، گرمیوں میں ٹھنڈے پانی سے اور سردیوں میں گرم پانی سے وضو کرنے کی سہولت موجود ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ہم نے ناقدری کی اور اس نعمت کو ہم نے گناہ کا ذریعہ بنالیا۔

نلکوں سے پانی کا ضیاع

اب صورت حال یہ ہے کہ بیت الخلاء میں بھی وضو خانے میں بھی اور غسل خانوں میں بھی اور بیسن پر بھی بے تحاشا پانی ضائع ہو رہا ہے اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے کہ ہم گناہ کر رہے ہیں اور اس کی عادت پڑ گئی ہے، روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ لوگ وضو کے لئے آئیں گے اور بڑی لاپرواہی سے نلکا

کھولکر بیٹھ جائیں گے، کبھی آستین چڑھائیں گے، کبھی اِدھر اُدھر دیکھیں گے یا باتیں کرنا شروع کر دیں گے اور پانی مسلسل بہہ رہا ہے، یہاں تک کہ آج کل بعض جگہ گرم پانی بھی اسی طرح بہتا رہتا ہے اور نالی میں ضائع ہوتا رہتا ہے، جبکہ پانی کی قلت ہے، بارشیں عرصہ سے نہیں ہوئی ہیں، ندی نالے سوکھ چکے ہیں، کنویں خشک ہو چکے ہیں، ڈیم سوکھے جارہے ہیں، سب لوگ پریشان ہیں، استسقاء کی نماز پڑھ پڑھ کر تھک چکے ہیں، مگر بارش کا ایک قطرہ نہیں ٹپک رہا ہے اور بہت سے علاقے قحط کی زد میں آئے ہوئے ہیں، ہزاروں جانور مر چکے ہیں اور ہزاروں آدمی نقل مکانی کر چکے ہیں، زمینیں بے آب و گیاہ پڑی ہوئی ہیں، اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہم نالی میں پانی ضائع کر رہے ہیں۔ قحط زدہ علاقوں کے لوگ کیڑوں والا پانی پی رہے ہیں بلکہ اس کو بھی ترس رہے ہیں اور ہمیں اللہ پاک نے محض اپنے فضل و کرم سے نہ جانے کس کے صدقے کچھ پانی عطا فرمایا ہوا ہے تو اس کو ہم نالی میں بہا رہے ہیں، گرم پانی بھی بہہ رہا ہے اور ٹھنڈا پانی بھی ضائع ہو رہا ہے۔ بیسن پر اگر ہم ہاتھ وغیرہ دھونے کے لئے یا کلی کرنے کے لئے کھڑے ہوں تو بیسن کا نل کھلا رہتا ہے اور ہم باتیں کر رہے ہوتے ہیں یا ایک انگلی دھو کر باتیں شروع ہو جاتی ہیں پھر تین انگلیاں دھو کر باتیں شروع ہو جاتی ہیں، پانی مسلسل ضائع ہو رہا ہوتا ہے، کس قدر بے حسی ہمارے اندر آچکی ہے کہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کوئی گناہ کر رہے ہیں، اسے ڈھیٹ بننا کہتے ہیں، اللہ بچائے ہم اتنے ڈھیٹ بن چکے ہیں کہ گناہ کر رہے ہیں مگر اس گناہ کا احساس نہیں ہے اور پھر جب کوئی آفت آجاتی ہے یا کوئی مصیبت سر پر پڑتی ہے

تو پھر ہوش آتا ہے اور پھر بھاگے بھاگے پھرتے ہیں کہ ہائے مر گئے ہائے یہ کیا ہو گیا۔

گناہگار ہونے پر بے گناہی کا احساس

پھر بعض لوگوں کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ معلوم نہیں ہم سے کون سا گناہ ہو گیا تھا جو یہ مصیبت ہم پر آ گئی، یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو فرشتے ہیں، ہم سے تو عموماً اور قصداً گناہ ہوتے ہی نہیں، معلوم نہیں،ہو سکتا ہے لاعلمی میں کوئی گناہ ہوا ہو گا، اس کے نتیجے میں یہ وبال آ گیا، یوں نہیں کہتے کہ ہم سر سے پیر تک گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس سے بڑھ کر مصیبت نہیں آئی، یعنی اب بھی اپنے بارے میں یہ حسنِ ظن ہے کہ ہم تو کوئی گناہ کرتے نہیں، گویا فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہیں، ہم سے کوئی غلطی نہیں ہوتی، ہاں شاید نادانی یا لاعلمی اور بے توجہی میں کوئی غلطی ہو گئی ہو گی جس کے نتیجے میں یہ مصیبت آ گئی ہے، بس اللہ تعالیٰ اس کو دور کر دے اور معاف کر دے۔ ایسا انداز اختیار کرتے ہیں گویا اپنے آپ کو گناہوں سے بالکل پاک صاف اور بے گناہ سمجھتے ہیں، حالانکہ حال یہ ہے کہ ہم گناہ کرنے کے عادی بنے ہوئے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

اسراف سے بچنے کا طریقہ

اس گناہ سے بڑی توجہ اور احتیاط سے بچنے کی ضرورت ہے۔ پانی اللہ

تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، کسی جگہ بھی یہ ضائع نہ ہو، اس میں اسراف نہ ہو اور یہ برباد اور بلاوجہ ضائع نہ ہو۔ وضو کے دوران سب سے زیادہ بے احتیاطی ہوتی ہے، اس لئے وضو کے دوران سب سے زیادہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہے، اور اس اسراف سے بچنا کوئی مشکل کام بھی نہیں، اگر مشکل ہو تو آدمی کچھ سوچے بھی کہ اس سے بچوں تو کیسے بچوں؟ کیونکہ نل کو جس طرح کھولنا ہمارے اختیار میں ہے، اس کو بند کرنا بھی ہمارے اختیار میں ہے، اور اس کا سیدھا سادھا اور آسان طریقہ یہ ہے کہ نل کو ہم کم ہی کھولیں اور الٹا ہاتھ کھولنے بند کرنے کے لئے مخصوص کر دیں، جب چلّو بھر جائے تو نل کو بند کر دیں اور جہاں ایک ہاتھ سے کام چلتا ہے ایک ہاتھ سے کام چلالیں، جہاں دونوں ہاتھوں سے ہی کام چلتا ہے تو دونوں ہاتھ نل بند کرنے کے بعد استعمال کرلیں جیسے کہ چہرہ دھونے کے لئے دونوں ہاتھوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بہر حال! اتنی آسان ترکیب موجود ہے کہ بائیں ہاتھ سے آدمی نلکا کھولے اور بند کرے اور دائیں ہاتھ سے پانی لے اور اسے استعمال کرے، اس طرح سے بھی سنت کے مطابق با آسانی وضو ہو سکتا ہے اور یہی مقصود و مطلوب ہے۔ تو اگر سنت کے مطابق وضو بھی ہو جائے اور پانی کے اندر اسراف کے گناہ سے بھی ہم بچ جائیں تو یہ کتنی بہتر صورت ہے اور اتنی بہتر صورت ہمارے اختیار میں ہے اور ہم پھر بھی اس کو اختیار نہ کریں تو کتنی خسارے کی بات ہے۔

ایسے ہی جب ہم ہاتھ دھونے کے لئے یا کلّی کرنے کے لئے جائیں تو اس میں بھی احتیاط کر سکتے ہیں کہ بائیں ہاتھ سے نلکا کھولکر دائیں ہاتھ سے پانی لے

کر کلی کرلیں۔ اگر دونوں ہاتھ دھونے ہیں تو بے شک نلکا کھول لیں اس لئے کہ یہ ضرورت ہے، اور یہ نعمت اللہ پاک نے اسی لئے دی ہے کہ آپ دونوں ہاتھ استعمال کریں، لیکن اگر ہاتھوں کو صابن لگانا ہے تو اب نلکا کھلا چھوڑ کر صابن لگانے کا کیا جواز ہے، یہ تو سراسر اسراف ہے اور پانی کو ضائع کرنا اور برباد کرنا ہے، بھئی! نلکا بند کر کے صابن لگالو! اور اگر ہاتھوں کو دھونا ہے تو نلکا کھول کر انہیں پانی سے دھولو۔

بوتل اور چائے کو ضائع نہ کریں

ایسے ہی پانی پینے بوتل پینے اور چائے پینے میں بھی آپ دیکھیں گے کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بلاوجہ پانی، بوتل اور چائے بچادیتے ہیں، اور یہ اکثر فیشن کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں کہ کوئی یوں نہ کہدے کہ یہ بھوکا پیاسا تھا ساری پی گیا، بھئی یہ بتاؤ کہ وہ بوتل آخر آئی کس لئے تھی؟ پانی پینے کے لئے نہیں تو اور کس مقصد کے لئے ہے، چائے آخر پینے کے لئے نہیں ہوتی تو پھر کس لئے ہوتی ہے، یہ محض ایک فیشن ہے کہ آدھی بوتل بچانی ہے اور آدھی پیالی چائے کی بچانی ہے۔ اور پھر ظلم اور مصیبت یہ ہے کہ اس بچے ہوئے کو پھر کوئی دوسرا بھی استعمال نہیں کرتا، اتنا حوصلہ اور تہذیب تو ہے نہیں کہ کسی دوسرے کا بچا ہوا کھانا یا پانی استعمال کرلیں، حالانکہ ہمارے دین میں مؤمن کا بچا ہوا موجب شفاء ہے،

سُؤْرُ الْمُؤْمِنِ شِفَاءٌ۔

مؤمن کا جھوٹا شفاء ہے۔

ہندو اگرچہ اس کو منحوس سمجھتے ہیں مگر ہمارے دین میں یہ شفاء ہے اور اچھی خاصی ایک دوا ہے کہ اگر کوئی پینا چاہے تو اس کے حق میں شفاء ہے۔ بہر حال، اگر کوئی دوسرا شخص اس کو پی لے تب بھی وہ چیز ضائع نہ ہو، مگر مصیبت یہ ہے کہ کوئی اس کو استعمال نہیں کرتا، وہ سیدھا نالی میں جاتا ہے، پانی تو جاتا ہی نالی میں ہے بوتل بھی نالی میں اور چائے بھی نالی میں جاتی ہے، اللہ بچائے، حالانکہ اس میں شکر بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نعمت ہے، پتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، دودھ بھی ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی گرانقدر نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور پانی بھی نعمت جس کا عظیم نعمت ہونا بالکل واضح ہے، اُس کی تیاری میں مشینیں استعمال ہوئی ہیں، چولہا اور گیس استعمال ہوئی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، صرف چائے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنی ساری نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں اور ہم اسے انتہائی بے دردی کے ساتھ نالی میں بہادیں، یہ کھلی ناقدری اور ناشکری ہے۔ اس لئے بیسن کے اوپر ہوں یا وضو خانے میں ہوں یا غسل خانے میں ہوں اس بات کا خاص طور سے خیال کریں کہ پانی ضائع نہ ہو۔

گرم پانی لینے میں احتیاط

غسل خانے میں پانی کے ضائع کرنے کی ایک اور صورت ہوتی ہے جو خاص طور سے سردیوں میں پیش آتی ہے، وہ یہ کہ گیزر میں گرم پانی ہوتا ہے، لائینوں میں گرم پانی ہر وقت نہیں ہوتا، اب اگر ہاتھ دھونا ہو یا کلی کرنی ہو یا مثلاً

غسل ہی کرنا ہو تو نل کھولتے ہی گرم پانی نہیں آتا، ہاں نل کھولتے ہی گرم پانی اس صورت میں آسکتا ہے کہ گیزر بالکل قریب ہو، اگر گیزر کہیں دور ہو تو جب تک اس لائن کا سارا ٹھنڈا پانی نہیں نکلے گا اس وقت تک گرم پانی نہیں آئے گا، تو ایسی صورت میں عام طور پر نل کھولکر سارا ٹھنڈا پانی ضائع کر دیا جاتا ہے اور نالی میں بہادیا جاتا ہے، تو یہ نالی میں اس طرح پانی بہانا یہ بلاوجہ اور فضول ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہئے، جس سے بچنے کے کئی طریقے ہیں، انہیں اختیار کر کے اس پانی کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔

ان میں سے سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے غسل خانے میں دو بالٹیاں یا ایک کین اور ایک بالٹی رکھ لیں اور ایک پائپ لے لیں، پھر پائپ لگا کر ٹھنڈا پانی اپنے کین میں بھر لیں، جب گرم پانی آجائے تو اسے بالٹی میں لے لیں۔ بہر حال اس ٹھنڈے پانی کو محفوظ کر لیں، اب یہ محفوظ شدہ پانی مزید دوسرے کاموں میں کام آسکے گا، مثلاً ڈبلیو سی کی صفائی میں کام آسکتا ہے، غسل خانے کی نالی کو بھی دھونے کی ضرورت پڑتی ہے اسے دھونے اور صاف کرنے کے لئے بھی یہ پانی کام آسکتا ہے، بیسن کو دھونے کی بھی ضرورت پڑتی ہے، اس کے لئے بھی یہ پانی استعمال کیا جاسکتا ہے، غسل خانے کو دھونے کی ضرورت میں بھی یہ پانی کام آسکتا ہے۔ بہر حال اس محفوظ شدہ پانی کو کام میں لانے کی چار صورتیں میں نے بتادی ہیں، ان کے علاوہ ایک ترکیب اور بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر بالٹی میں پانی بھر کر نہایا جائے تو گیزر اگر بہت ہی زیادہ دور نہ ہو تو عام طور سے آدھی بالٹی ٹھنڈے پانی سے بھرتی ہے اور باقی آدھی بالٹی تیز

گرم پانی سے بھر جاتی ہے تو دونوں مل کر پانی برابر ہو جاتا ہے، تو اس سے غسل کر کے پانی کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکتا ہے، اب اس ٹھنڈے پانی کو بہانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور کبھی گیزر قریب ہو تو ایک لوٹا ہی پانی نکالنا پڑتا ہے تو اس ایک لوٹے سے ڈبلیو سی کی صفائی ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ پانی کے بے جا استعمال سے بچنے کی کتنی ساری صورتیں نکل آئی ہیں، اس طرح احتیاط کریں تو بہت سارا پانی بچ سکتا ہے۔

مفت میں نعمت ملنے کی وجہ سے ناقدری

اصل میں بات یہ ہے کہ ہمیں پانی مفت میں مل رہا ہے، اس لئے یہ سارے نخرے ہیں، اللہ نہ کرے اگر وہ دو دن ہی پانی بند کر دیں تو انسان کا دماغ ٹھکانے آجائے، اور پھر ایک ایک قطرہ سنبھال کر استعمال کرنے لگے۔ اگر آج ہی خدانخواستہ یہ اعلان ہو جائے کہ آئندہ ایک ہفتہ پانی بند رہے گا تو ہر ایک پھر یہی کوشش کرے گا کہ ٹینکی، بالٹی اور دیگر برتن بھر لے اور ایک گلاس پانی بھی ضائع نہ ہو اور گھر میں پانی کے بارے میں مارشل لاء لگا دے کہ کہیں بھی ایک قطرہ پانی ضائع نہ ہو۔ تو بھائی خدانخواستہ ایسی نوبت آنے سے پہلے ہی اس قسم کا مارشل لاء لگالیں اور ابھی سے احتیاط کرنا شروع کر دیں جیسا کہ اُس وقت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے کہ جیسے اس کٹھن وقت میں ہمیں پانی کی ضرورت ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں، ایسے ہی ہم آج بھی محتاج ہیں، اور جو اس وقت پوچھنے والا ہے وہی اب بھی پوچھنے والا ہے کہ تم کو ہم نے

پانی کی فراوانی کی نعمت سے نوازا تھا، تم نے ہماری نعمت کی اسقدر ناشکری وناقدری کیوں کی اور تم نے کیوں پانی کو ضائع کیا؟ تو یاد رکھیے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس لئے پانی کے بے جا استعمال سے سخت پرہیز کریں۔

غسل میں پانی استعمال کرنے کی حد

بعض لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ پھر نہائیں کیسے؟ تو بھئی نہانے کے لئے بقدرِ ضرورت پانی استعمال کرنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے، بقدرِ ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ صابن لگا کر میل کچیل دور کر لیا اور تین مرتبہ اچھی طرح پانی دائیں بائیں، آگے پیچھے، اوپر نیچے بہالیا، یہ ضرورت پوری ہو گئی۔ لیکن بعض دفعہ اس سے بڑھکر مزید فرحت حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ راحت و سکون حاصل ہو، کیونکہ پانی کو جسم پر بہانا یہ بھی ایک بڑی عجیب و غریب نعمت ہے کہ جس سے طبیعت میں بڑا سرور اور بڑی فرحت اور نشاط پیدا ہوتا ہے، اور یہ صرف تین مرتبہ پانی جسم پر ڈالنے سے حاصل نہیں ہوتا، جی چاہتا ہے کہ فوّارہ کھول کر اس کے نیچے بیٹھے رہیں اور ایسا معلوم ہو جیسے بارش ہو رہی ہے، تو بھئی یہ بھی ایک ضرورت ہے اور یہ بھی پانی کا بے جا استعمال نہیں ہے بلکہ بر محل استعمال ہے، چاہے پانی گرم ہو یا ٹھنڈا۔ بہر حال اگر مزید دل چاہ رہا ہے کہ ایک مرتبہ اور پانی ڈالیں اور اس سے طبیعت اور زیادہ کھل رہی ہے اور طبیعت میں مزید لطف و سرور حاصل ہو رہا ہے تو مزید پانی استعمال

کرلیں، کیونکہ یہ بھی ضرورت میں داخل ہے۔ ممانعت اس کی ہے کہ آدمی بلاوجہ اور بلاضرورت پانی بہادے، جہاں ایک لوٹا پانی کی ضرورت ہے وہاں دو لوٹے بہادیئے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہے، وضو اور غسل اور کلی وغیرہ کرنے میں اور بیسن وغیرہ پر ہاتھ دھونے میں اس کا خیال رکھیں کہ یہ گناہ ہم سے نہ ہونے پائے، اگر اب تک ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر آئندہ پرہیز کریں۔

اسراف کا وبال

یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ اسراف کا گناہ ہے اور اللہ بچائے اسراف کا گناہ ایسا ہے کہ اس کا وبال بہت خطرناک ہے، وہ خطرناک اس طرح ہے کہ بعض دفعہ اسراف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس نعمت سے محروم کردیتے ہیں، پھر آدمی ناک رگڑ رگڑ کے بھی مانگتا ہے تو وہ نعمت نہیں ملتی، عام طور سے روزی کے جو تنگ ہونے کے اسباب ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے، بعض لوگوں کی روزی تنگ ہو جاتی ہے اور تنگ ہی رہتی ہے، بیچارے وظیفہ پڑھ پڑھ تھک جاتے ہیں، چلّے کھینچ کھینچ کر ہار جاتے ہیں اور دعا کر کر کے بظاہر مایوس ہو جاتے ہیں، مگر روزی کا دروازہ نہیں کھلتا، وجہ اس کی یہی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی روزی کو بڑی بے دردی کے ساتھ پامال کیا اور روزی کی ناقدری و ناشکری کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو برباد اور ضائع کیا اور اس میں اسراف کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو ڈھیل دیتے ہیں، وہ کبھی کسی بندے کو ایک دم نہیں پکڑتے بلکہ

عفو و در گزر سے کام لیتے ہیں، اس لئے کہ وہ تو حلیم و بردبار ہیں، وہ کسی سے فوراً بدلہ اور انتقام ہرگز نہیں لیتے، بلکہ جب بندہ حد سے گزر جاتا ہے تو پھر ان کی طرف سے گرفت آتی ہے اور جب ان کی طرف سے گرفت آتی ہے تو پھر ان سے کوئی چھڑانے والا نہیں ہوتا، اور اللہ بچائے جب کسی شخص پر روزی کا دروازہ بند ہوتا ہے تو اس کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ پہلے تو وہ اس نعمت کو نالی میں بہاتا رہا، دستر خوان میں ضائع کرتا رہا، پھینکتا رہا اور جی بھر کے ناقدری کرتا رہا، اب جب اس کی روزی تنگ ہو گئی تو اب چیختا ہے چلّاتا ہے ہائے ہائے کرتا ہے، اب ایسا کرنے کا کیا فائدہ ہے، اس لئے خیال کرنا چاہئے کہ اسراف نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

کھانے کی چیزوں میں احتیاط

دوسرا گناہ کھانے کو ضائع کرنا ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں بھی ہمارے ہاں بہت بے احتیاطی پائی جاتی ہے، ان میں بھی احتیاط کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ کھانے کی کوئی چیز اگر نیچے گر جائے تو اس کو اٹھانے کی ہمیں عادت ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس کا خیال ہے، دستر خوان پر خوراک کے ذرّات، روٹی کے ٹکڑے اور چاول وغیرہ گر جاتے ہیں جب انہیں کو لوگ نہیں اٹھاتے اور ان کو اٹھانا معیوب سمجھتے ہیں تو زمین پر گرے ہوئے ذرّات کا اٹھانا تو دور کی بات ہے، بلکہ اسی طرح دستر خوان کو خراب جگہیں اور کوڑا کرکٹ کی جگہ میں جھاڑ دیتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں جن کا بہت بڑا حصّہ ہمارے پیٹ میں جاچکا ہے، انہیں میں سے چند ذرّات دستر خوان پر گرے تھے، ہم بے دردی و بے حسی کے ساتھ دستر خوان کے ساتھ جھاڑ دیتے ہیں، آپ مسلمانوں کے کسی بھی محلے سے گزر کر دیکھ لیں، کہیں آپ کو دال، سالن، چاول پڑے ہوئے نظر آئیں گے اور کہیں تو سالم روٹیاں پڑی ہوئی نظر آئیں گی، اللہ بچائے اللہ بچائے، ہم اللہ کی روزی کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے ہیں۔ ہاں ان میں سے کوئی چیز سڑ گئی ہو یا خراب ہو گئی ہو تو چلو وہ تو پھینکنے کے قابل ہے، لیکن ہر وقت ہر چیز ہر حال میں اس طرح نہیں ہوا کرتی۔ ساری خرابی گھر کے اندر کھانے والے لوگوں کی بے احتیاطی کی ہے، یہ نوبت کیسے آئی؟ آجکل عام طور سے یہ نوبت نہیں آسکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اب ہر گھر میں فریج، ڈیپ

فریزر موجود ہے، اور اگر فریج وغیرہ موجود نہ بھی ہو تو پہلے زمانے میں بھی تو لوگ اپنے سالن روٹی کو بچا کر رکھتے تھے، بعض لوگ پکا کر رکھتے تھے اور اس میں کچھ ایسی چیزیں ڈالتے تھے کہ جس سے وہ سالن خراب نہیں ہوتا تھا، آج بھی کھانے کو دیر تک محفوظ رکھنے کی ترکیبیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

کھانا صدقہ دیکر محفوظ کرنا

بہر حال اگر کھانے کو احتیاط سے رکھتے اور احتیاط سے کھاتے تو وہ دوسرے وقت بھی کام آسکتا تھا اور اگر ایک وقت کا کھانا دوسرے وقت کھانے کو طبیعت نہیں چاہتی اور تازہ کھانا ضرورت سے زائد ہے تو اُسے اخلاص کے ساتھ صدقہ بھی کیا جاسکتا ہے، اخلاص کے ساتھ صدقہ کرنا اس کھانے کو دراصل محفوظ کرنا ہے اور اس سے بڑھ کر محفوظ کرنے کا کوئی طریقہ نہیں، کیونکہ ڈیپ فریزر میں رکھا ہوا کھانا پھر بھی خراب ہو سکتا ہے مگر یہ صدقہ کے طور دیا ہوا کھانا محفوظ تو ہوگا ہی، ساتھ ساتھ انشاءاللہ بڑھتا بھی جائے گا، اور اتنا بڑھے گا کہ حدیث میں آتا ہے کہ کوئی آدمی اللہ کے راستے میں چھوارا صدقہ دیدے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اگر اس نے خلوص سے دیا ہے تو اس کو بڑھا بڑھا کر پہاڑ کے برابر کر دیتے ہیں۔

کھانے کو محفوظ کرنے کا یہ کتنا اچھا ذریعہ ہے، پھر پھینکنے کی کیا ضرورت ہے، روٹی، سالن، دال اور قورمہ وغیرہ کسی بھی چیز کے پھینکنے کی قطعاً ضرورت

نہیں ہے، اگر آپ کی ضرورت سے زائد ہے اور دوسرے وقت کھانے کو طبیعت نہیں چاہ رہی تو کوئی حرج نہیں ہے، آپ اس کو خیرات یا صدقہ کر دیں۔ آبادی سے ذرا سا باہر نکلیں تو بھوک سے ترستے ہوئے کافی لوگ آپ کو نظر آئیں گے جو بے چارے اس انتظار میں ہیں کہ کہیں سے ہمیں کھانا میسّر آجائے تو ہماری بھوک مٹ جائے۔ تو کتنے لوگ کھانے کے منتظر بھی ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کھانے کو پھینک کر ضائع کرنے والے بنے ہوئے ہیں۔

دستر خوان پر کھانے کا ادب

لہٰذا دستر خوان وغیرہ پر جب بھی کھانے کے لئے بیٹھیں تو اس بات کا خیال رکھیں کہ کھانا ضائع اور برباد نہ ہو اور دستر خوان پر بھی نہ گرے، اگر گر جائے تو اسے اٹھالیں، اور کھانا اتنا ہی لیں جتنا ایک وقت میں آپ کھا سکیں، اسی طرح مطبخ سے کھانا لیتے وقت بھی طلبائے کرام کو اسی احتیاط کی ضرورت ہے، ضرورت سے زیادہ کھانا لینے کی کوشش ہی نہ کریں، اگر زیادہ لے لیا ہے تو اب اس کی حفاظت ضروری ہے، ایک وقت میں اگر زیادہ لے لیا ہے تو دوسرے وقت کھانا لینے کی ضرورت نہیں ہے، اسے ہی استعمال کرلیں۔ اسی طرح روٹی اگر بچی ہے تو اس کے لئے بھی اللہ نے سوئی گیس کی سہولت دے رکھی ہے، اگر روٹی درمیان سے یا کناروں سے پھولی ہوئی ہے تو اسے درمیان یا کناروں سے کاٹ لیا جائے اور پھر اس کو گرم کرلیا جائے تو شاندار روٹی تیار ہو جاتی ہے، اس طرح جو روٹی بچی ہے وہ پک جاتی ہے اور پکنے کے بعد انتہائی لذیذ ہو جاتی ہے۔

کوتاہی کی جڑ

کوتاہی کی جڑ اصل میں یہ ہے کہ بعض لوگوں کو یہ سب کچھ بلا مشقت و محنت مفت میں مل رہا ہے، اس لئے یہ تمام کوتاہیاں ہو رہی ہیں اور دماغ اتنا چڑھا ہوا ہے، اگر خوب محنت و مشقت کے بعد یہ سب کچھ ملتا تو چٹنی بھی سنبھال کر رکھتے اور وہ قورمہ سے زیادہ لذیذ لگتی اور اب قورمہ میں بھی کیڑے نکالے جا رہے ہیں کہ اس میں مرچیں کم ہیں، اس میں بال پڑا ہوا ہے، گھی کم ہے، بوٹی صحیح سے گلی نہیں ہے وغیرہ، بس بھئی! بات وہی ہے کہ مفت میں مل رہا ہے اس لئے دماغ خراب ہو رہا ہے، جن کو کھانے کے لئے نہیں مل رہا ان سے اس کی قدر و قیمت معلوم کریں۔ اور بعض لوگوں میں غفلت اور لاپرواہی کا مرض ہے۔ بہر حال دونوں صورتیں قابلِ اصلاح ہیں۔

فقر و فاقہ اور روضۂ اقدس سے محبّت

ایک چھوٹا سا قصہ یاد آیا وہ آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں شاہ سعود کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی یا ہونے والی تھی، اس وقت وہاں پر انتہائی غربت و افلاس کا عالم تھا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے چاول اُبالے اور جیسا کہ معمول ہے کہ چاول اُبال کر پانی پھینک دیا جاتا ہے، ہم نے بھی چاول ابال کر پانی

پھینک دیا تو ایک بدّو کا بچہ اس جگہ کی ریت اٹھا کر چومنے لگا جس جگہ ہم نے پانی گرایا تھا، اس قدر ان کے ہاں فقر و فاقہ کی حالت تھی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے یہ دیکھا نہ گیا کہ یہ حرم کے رہنے والے ہیں اور ان کا یہ حال ہے، ہم نے اس بچے کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم ہمارے ساتھ رہو اور ہمارے ساتھ کھاؤ پیو، اور اپنے والدین سے اجازت بھی لے لو اور ہمارے ساتھ ہندوستان چلو، ہم تمہیں وہاں کھلائیں گے بھی، پہنائیں گے بھی اور پڑھائیں گے بھی، وہ بچہ اپنے گھر گیا اور اپنے والدین سے ذکر کیا کہ یہ حضرات مجھ سے اس طرح ساتھ چلنے کے لئے کہہ رہے ہیں، تو اس کے والدین نے اجازت دیدی، چونکہ حج کے لئے کافی دن وہاں رہنا ہوتا ہے اس لئے ہم وہیں رہے، پھر جب واپسی کا وقت قریب آیا تو ہم نے اس کو بتایا کہ ہم فلاں دن، فلاں وقت جائیں گے، تم اپنی تیاری وغیرہ مکمل کر کے وقت مقررہ پر پہنچ جاؤ، تو اس بچے نے برجستہ کہا کہ میں بالکل تیار ہوں، چونکہ وہاں سے رخصتی کے وقت سلام پیش کرنے کے لئے روضۂ رسول ﷺ پر آنا ہوتا ہے، ہم وہاں گئے تو وہ بچہ بھی ہمارے ہمراہ تھا، اس موقع پر اس بچے نے دامن پکڑ کر کہا کہ تم لوگ جہاں مجھے لے کر جا رہے ہو وہاں پر یہ روضہ ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ یہ روضہ تو وہاں نہیں ہے، تو اس بچے نے کہا کہ پھر میں یہاں ہی صحیح ہوں، اسے چھوڑ کر میں وہاں نہیں جا سکتا، ''اللہ اکبر''!!! اگر یہ روضۂ مبارک وہاں نہیں ہے تو پھر میں وہاں جا کر کیا کروں گا، میں تو اسی کے سائے میں رہنا چاہتا ہوں ''اللہ اکبر''!!! اتنی محتاجی اور فقر و فاقہ میں بھی ان کی محبت کا یہ عالم ہے!! جب انہوں نے محبت ایسی کی تو اللہ پاک نے دروازہ بھی ایسا

ہی کھولا کہ مال، دولت ان کی لونڈی بن کر رہ گئی۔

خلاصۂ بیان

بہرحال ہمارے یہاں اِسراف کا گناہ بہت زیادہ پھیل گیا ہے، کھانے پینے اور پہننے میں اور پانی کے استعمال میں یہ گناہ ہم سے بہت زیادہ ہو رہا ہے، اس کی طرف ہم توجہ دیں اور اپنا جائزہ لیں اور جہاں جہاں یہ گناہ ہو رہا ہے اور غلطی ہو رہی ہے، اس سے توبہ کریں اور آئندہ بچنے کا اہتمام کریں! اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وقت کی قدر کریں

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹
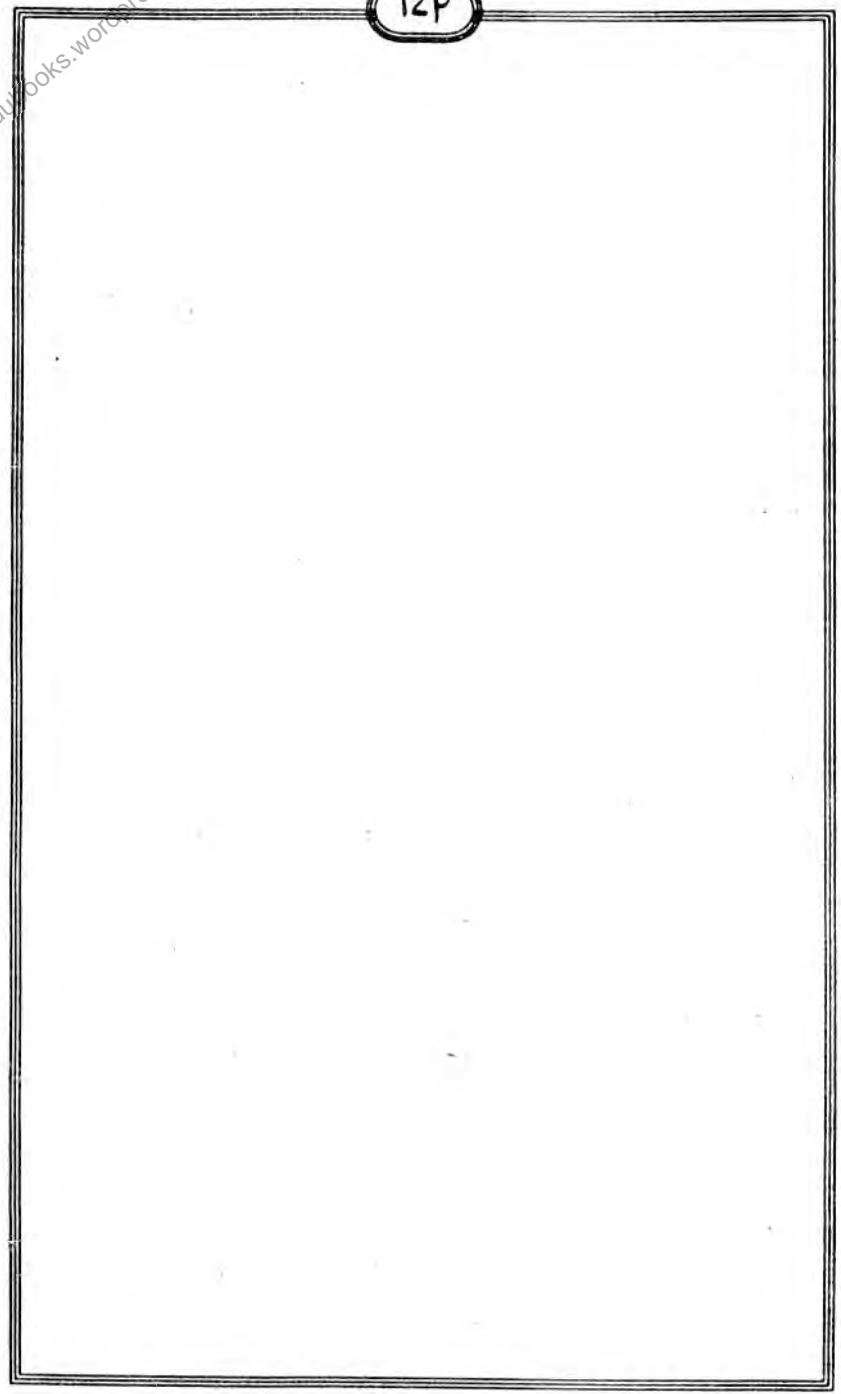
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط

وقت کی قدر کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرحمٰن الرحيم۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ

لَفِیْ خُسْرٍ ○ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو بہت ساری نعمتیں عطا کی ہیں اور وہ تمام کی تمام نعمتیں بہت بڑی نعمتیں ہیں اور سب ہی کی قدر کرنے کی ضرورت ہے اور سب ہی کی قدر کرنے کی تاکید بھی ہے۔ لیکن بعض نعمتیں عظیم الشان ہیں اُن کی طرف توجہ دینے کی زیادہ ضرورت ہے، اس لئے کہ لوگوں کو ان نعمتوں کا قیمتی ہونا معلوم نہیں ہے، اور اگر کسی کو تھوڑا بہت معلوم بھی ہے تو اس کو ان کی قدر کرنے کی طرف توجہ نہیں ہے اور اگر توجہ ہے تو پوری نہیں ہے۔

بہرحال، میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم سب کو ان نعمتوں کا قیمتی ہونا معلوم ہو جائے اور اگر ہم ان نعمتوں کی قدر نہیں کر رہے ہیں تو قدر کرنی شروع کر دیں اور احتیاط سے انہیں استعمال کریں تا کہ وہ ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ نافع اور مفید ہو جائیں اور اب تک اس سلسلہ میں ہم سے جو غفلت اور کوتاہی ہوئی ہے وہ دور ہو جائے۔

وقت عظیم نعمت ہے

اُن عظیم الشان نعمتوں میں سے ایک وقت کی نعمت ہے جس کی اللہ پاک نے ''سورۃ العصر'' میں قسم کھائی ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ:

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ...... الخ

اور قسم ہے زمانے کی، بلاشبہ انسان خسارے میں ہے

سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور
ایک دوسرے کو نیکی کی نصیحت کرتے رہے اور ایک
دوسرے کو صبر رکھنے کی نصیحت کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمانے کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے اس کی قسم کھائی ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو زمانے اور وقت کی نعمت عطا فرمائی ہے، اب یہ نعمت یعنی زمانہ اور وقت اور عمر ہر ایک کی الگ الگ ہے، کسی کی کم کسی کی زیادہ اور کسی کی بہت کم اور کسی کی بہت زیادہ۔ بہر حال دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ وقت کی نعمت ضرور لے کر آیا ہے، اور کامیاب شخص وہی ہے جو اس نعمت کو صحیح طریقے سے استعمال کرلے۔

وقت کے استعمال کی پہلی صورت

وقت کے استعمال کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وقت کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں، اطاعت میں اور عبادت میں صرف اور خرچ کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ اطاعت و یاد صرف چند عبادات کا ہی نام نہیں ہے بلکہ سارے دین کا نام ہے، اور مسلمان کو ساری زندگی عمل کے لئے دین کا کوئی نہ کوئی شعبہ اس کے سامنے آتا رہتا ہے۔ لہٰذا زندگی کے کسی بھی موڑ پر دین کا کوئی بھی شعبہ یا دین کا کوئی بھی حکم عمل کرنے کے لئے سامنے آجائے تو اس پر عمل کرنا یہ اپنے وقت کو عبادت و اطاعت میں گزارنا اور اپنے وقت کو قیمتی بنانا ہے۔ مثال کے طور پر کبھی تبلیغ کا حکم ہے، کبھی جہاد کا حکم ہے، کبھی اصلاح لینے

کا حکم ہے، کبھی نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم ہے، کبھی اچھے اخلاق سے پیش آنے کا حکم ہے، اسی طرح والدین کی خدمت اور نماز پڑھنے کا حکم ہے، اسی طرح جب روزہ رکھنے کا وقت آیا تو روزہ رکھ لیا، زکوٰۃ دینے کا وقت آ گیا تو زکوٰۃ دیدی، صلہ رحمی کرنے کا وقت آ گیا تو صلہ رحمی کرلی، سچ بولنے کا موقع آ گیا تو سچ بولدیا، حلال کمانے کا موقع آیا تو حلال کمالیا، حرام سے بچنے کا وقت آیا تو حرام سے بچ گیا، ٹی وی دیکھنے کا موقع آیا تو اپنے آپ کو اس سے بچالیا، گانا سننے کا موقع آیا تو اپنے کانوں کو اس سے بچالیا، بدنگاہی کا موقع آیا تو بدنگاہی سے اپنے آپ کو بچالیا، لڑائی کا موقع آیا تو اپنے آپ کو بچالیا، بے صبری کا موقع آیا تو دامنِ صبر تھام لیا، شکر کرنے کا وقت آیا تو شکر کرنے لگا اور کسی عبادت کا وقت اور موقع آیا تو عبادت کرنے لگا تو یہ تمام احکامات وقتاً فوقتاً انسان کو پیش آتے رہتے ہیں، اور ان احکامات میں وقت لگانا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں وقت لگانا ہے۔ بہرحال، پہلی صورت یہ ہوئی کہ اپنے وقت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں، اطاعت میں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں گزارے اور جس وقت جو بھی دین کا حکم اور تقاضا ہو اس پر عمل کرے اور یہی صورت سب سے بہتر اور اعلیٰ ہے، کیونکہ اطاعتِ خداوندی میں، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اور اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے میں جو وقت گزر گیا، بس وہی وقت سب سے سنہری اور قیمتی ہے اور یہی زندگی کا مقصدِ اصلی بھی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے اوقات کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزاریں اور نافرمانی سے بچیں، کیونکہ

نافرمانی سے بچنا یہ بھی اطاعت ہی ہے۔

دوسری صورت

وقت کے استعمال کی دوسری صورت جس سے اللہ پاک ہمیشہ ہمیں محفوظ رکھیں، یہ ہے کہ وہ وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، فسق و فجور اور گناہ کرنے میں گزر جائے، مثلاً بدنگاہی کرنے میں، جھوٹ بولنے میں، غیبت کرنے میں، الزام تراشی میں، لایعنی باتوں میں، فضول تبصروں میں، بے کار اور لایعنی خبریں پڑھنے میں، ایسی کتابیں اور ایسے رسالے اور ایسے مضامین کے پڑھنے میں جو بالکل فضول اور لایعنی ہوں، ایسے گندے ناول اور افسانے جن سے بے حیائی، بے غیرتی، عیاشی اور بدمعاشی کی تعلیم دی جاتی ہو، اور ان کے پڑھنے والے پر بُرے اثرات پڑتے ہوں تو ایسے گندے ناول وغیرہ پڑھنے میں، ٹی وی دیکھنے میں، وی سی آر کے ذریعے فلمیں دیکھنے میں، انٹرنیٹ کے ذریعے حرام اور ناجائز پروگرام دیکھنے میں، کیبل کے ذریعے ننگی دنیا دیکھنے میں، نامحرم عورتوں کو شہوت کے ساتھ دیکھنے میں، بے ریش لڑکوں کو شہوت سے دیکھنے میں، چوری کرنے میں، ڈاکہ ڈالنے میں، شراب پینے میں، جان بوجھ کو نماز چھوڑنے میں اور بلاعذر جماعت کی نماز چھوڑنے میں یا کسی اور گناہ میں اگر کسی نے اپنا وقت گزارا تو بس گویا اس نے اپنے وقت کا خون کرلیا اور اپنے کو تباہ و برباد کرلیا۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت کوئی بندہ گناہ میں مشغول ہوتا ہے تو اس

وقت وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ ہوتا ہے اور جس وقت کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کر رہا ہوتا ہے، چاہے وہ سات کمروں میں چھپ کر اور بند ہو کر عبادت کرے تو اس وقت یہ بندہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی پسندیدہ اور محبوب ہوتا ہے۔ بہرحال، دوسری صورت یہ ہوئی کہ اگر ہم اپنے وقت کو اللہ کی نافرمانی میں اور گناہ میں گزار دیں تو جتنا وقت بھی گناہ میں گزرے، اس وقت کو گویا ہم نے ضائع کر دیا، برباد کر دیا، اس وقت کی ناشکری و ناقدری کی اور اپنا قیمتی سرمایۂ حیات ہم نے ضائع و برباد کر دیا۔

تیسری صورت

وقت کے استعمال کی تیسری صورت یہ ہے کہ اس وقت کے اندر ہم نہ کوئی نیکی کا کام کریں اور نہ ہی کوئی گناہ کا کام کریں بلکہ کوئی جائز اور مباح کام کریں۔ جائز اور مباح کام وہ ہوتا ہے جس کے کرنے میں کوئی ثواب نہیں اور چھوڑنے میں کوئی گناہ بھی نہیں، یعنی کرنے میں کوئی ثواب نہیں اور نہ کرنے میں کوئی عذاب نہیں تو ایسے کام کو جائز اور مباح کہتے ہیں۔ مباح اور جائز کاموں کی فہرست بہت طویل ہے۔

صبح و شام آدمی جتنے کام کرتا ہے، ان میں عموماً یہ تینوں صورتیں ہوتی ہیں۔ صبح سے شام تک کا آدمی یہ جائزہ لے کہ آج کا یہ دن میں نے کس طرح گزارا ہے تو وہ خود یہ محسوس کرے گا کہ کچھ تو اس نے نیک کام کئے ہیں، کچھ برے کام بھی کئے ہیں اور کچھ ایسے کام کئے ہیں جنہیں نہ اچھا کہا جا سکتا ہے

اور نہ برا کہا جا سکتا ہے، جو اچھے کام کئے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اسی کی توفیق سے میں نے یہ کام کئے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں، اس پر فخر نہ کرے اور عجب میں مبتلا نہ ہو۔ اور جو برے کام کئے ہیں، یعنی جو وقت کسی گناہ کے کام میں گزارا، مثلاً کسی کو کوئی ایک جملہ ایسا کہدیا جس سے اس کے دل کو تکلیف پہنچی، کسی کی برائی کر دی، کسی پر تہمت لگادی، کسی کو ناجائز اور بلاوجہ ڈانٹ دیا، والدین کو ستایا، بہن بھائیوں کو پریشان کیا یا کوئی اور گناہ کیا، تو ان پر فوراً توبہ و استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور گڑگڑائے اور اس سے آئندہ بچنے کا اہتمام کرے۔

اور کچھ وقت پورے دن میں ایسا گزرا کہ جس میں ایسے کام کئے کہ ان پر نہ ثواب ہے اور نہ عتاب ہے بلکہ جائز اور مباح کام کئے، مثلاً سونا، کھانا، پینا، زائد از ضرورت پہننا، زیب و زینت اختیار کرنا، کسی سے ملنے کے لئے جانا، اب اگر اللہ کے لئے ملنے گیا تو یہ عبادت بن جائے گا اور اگر ویسے ہی گیا تو یہ جائز اور مباح ہوگا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مباح کام انسان دن بھر کرتا ہے، تو ان پر نہ ثواب ہے اور نہ عذاب ہے۔

حسن نیت سے مباح کام بھی عبادت بن جاتا ہے

البتہ جائز اور مباح کام بھی ایسے ہیں کہ انہیں بھی حسنِ نیت کی وجہ سے آسانی کے ساتھ عبادت بنایا جا سکتا ہے، ایک کام جو اپنی ذات کے اعتبار سے جائز ہے، اگر اس کو کرتے وقت ہم اچھی نیت کرلیں تو وہی جائز اور مباح کام

آسانی سے عبادت بن جائے گا، وہ کام بذاتِ خود تو جائز اور مباح ہی رہے گا لیکن حسنِ نیت کی وجہ سے وہ عبادت بن جائے گا اور ہمارے لئے باعثِ اجر و ثواب ہو جائے گا۔ تو جتنے بھی جائز اور مباح کام ہوں، ان میں اچھی نیت کو ہم اپنے دامن میں باندھ لیں یعنی ہر مباح کام کرتے ہوئے اس میں اچھی نیت کرلیں تو یہ ہمارے لئے عبادت بن کر اجر وثواب کا موجب ہو جائے گا، حسنِ نیت اتنا بہترین عمل ہے کہ اس میں نہ پیسہ خرچ ہوتا ہے، نہ طاقت خرچ ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی خاص وقت خرچ ہوتا ہے، ذرا سا دل کا رخ صحیح کرلیں تو وہ جائز اور مباح کام ہمارے لئے نیکی بن جائے گا۔

نیت کا دوسرا رخ

نیت کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی عبادت میں بری نیت کرلی تو عبادت بھی گناہ بن جاتی ہے، مثلاً نفلی نماز پڑھتے وقت کوئی یہ نیت کرے کہ لوگ مجھے عابد و زاہد کہیں، حج اس لئے کرے تا کہ لوگ مجھے حاجی اور الحاج کہیں، اور رشتہ داروں کے ساتھ اس لئے حسن سلوک کرے کہ برادری کے لوگ کہیں کہ اس کو تو بہت ہی زیادہ اپنے رشتہ داروں کا خیال رہتا ہے، یہ تو قوم کا بہت ہی ہمدرد اور بھی خواہ ہے، تو اب ان تینوں صورتوں میں پیسے بھی خرچ ہوئے، وقت بھی خرچ ہوا اور محنت و مشقت بھی برداشت کی، لیکن پھر بھی اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھا جائے گا کہ یہ نمائشی اور ریاکار ہے اور اس کی ایسی کوئی عبادت قابلِ قبول نہیں، اور اگر یہی تینوں کام اللہ کی رضا کے

لئے کرلئے جائیں تو یہ سارے کام عبادت بن جائیں اور کندن بن جائیں اور تھوڑی سی عبادت بھی بہت ہو جائے اور مقبول ہو جائے۔

بہرحال، یہ نیت ایسی پیاری چیز ہے کہ اگر اس کو جائز اور مباح کاموں میں اچھے طریقے سے استعمال کیا جائے تو تمام جائز کام بھی باعثِ اجر وثواب ہو جائیں۔

کمرہ کی مثال

مثلاً ایک کمرے میں تین چار ساتھی رہتے ہیں اور سب ساتھیوں کا اس طرح مل کر رہنا یہ ایک جائز اور مباح کام ہے، اب اگر کوئی شخص اس طرح ساتھ رہنے میں یہ نیت کرلے کہ میں اس کمرے میں اپنے ساتھیوں کی خدمت کرنے کے لئے رہوں گا اور چونکہ وہ سب ساتھی طالب علم ہیں اور دین کا علم حاصل کرنے آئے ہوئے ہیں تو میں ان کی خدمت اس لئے کرونگا تاکہ اور زیادہ دلچسپی سے وہ اللہ کا دین حاصل کریں اور پھر جب فارغ ہوکر جائیں گے تو وہ اللہ کے دین کو پھیلائیں گے اور اس طرح وہ دین کی خدمت میں لگیں گے تو مجھے ثواب ملے گا۔ اب اس نیت سے ساتھیوں کے ساتھ مل کر رہنا بھی عبادت بن جائے گا، اب یہ شخص دن کو بھی عبادت میں ہے، رات کو بھی عبادت میں ہے اور اس کے علاوہ جب بھی اور جتنا بھی وقت کمرے میں گزرے گا وہ عبادت میں شمار ہوگا۔

ایک سے زیادہ نیتیں

اس نیت کے اندر اللہ پاک نے ایک سہولت اور بھی رکھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زائد نیتیں بھی انسان کرسکتا ہے اور ہر نیت کا علیحدہ ثواب ملے گا۔ جیسے کمرے میں رہنے میں ایک نیت تو ساتھیوں کی خدمت کرنے کی ہوگئی اور اللہ کے لئے اپنے دوستوں، بہن بھائیوں اور حتیٰ کہ عام انسانوں کی خدمت کرنا یہ خود اعلیٰ درجے کی عبادت ہے اور پھر طلباء و علماء کی خدمت کرنا اس کا اور بھی زیادہ ثواب ہے۔ اس میں دوسری نیت یہ بھی کرسکتا ہے کہ اگر ان ساتھیوں میں سے کوئی بیمار ہوگا تو میں اس کی بیمار پرسی کروں گا۔ اور بیمار کی بیمار پرسی کرنا، اس کی عیادت کرنا اور اس کی بیماری میں اس کی دیکھ بھال کرنا یہ بھی عبادت ہے۔

تیسری نیت یہ بھی کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ساتھیوں کو جو علم عطا فرمائیں گے، میں ان سے یہ علم حاصل کروں گا اور اللہ پاک جو علم مجھے عطا فرمائیں گے محض اپنے فضل سے، وہ علم میں ان تک پہنچا دوں گا، اب اس میں تکرار، مطالعہ اور زبانی مذاکرہ سب داخل ہو جائیں گے۔

چوتھی نیت ساتھیوں کے ساتھ رہنے میں یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مجھے ان کے ساتھ رہنے میں ان کے ذریعہ نیک صحبت میسّر آ جائے گی، یہ میرے ساتھی اللہ والے اور نیک ہیں اور یقیناً مجھ سے افضل ہیں، کیونکہ ہر مسلمان کے لئے دوسرا مسلمان فی الحال اس سے افضل ہے اور مجھے کسی نہ کسی نیک صحبت میں

رہنا چاہئے، تو میں نیک ساتھیوں کے ساتھ رہتا ہوں تاکہ ان کی نیک صحبت میں رہنے سے مجھے بھی فائدہ ہو تو اس نیت کا الگ ثواب ملے گا۔

دیکھئے! ایک ہی وقت میں مختلف نیتیں کرنے سے انسان ان سب کا ثواب حاصل کرسکتا ہے، جیسا کہ مذکورہ مثال سے واضح ہوا کہ کمرہ ایک ہے، ساتھی بھی وہی ہیں اور وقت بھی ایک ہے، مگر نیتیں مختلف کرنے سے ہر نیت کا علیحدہ ثواب مل رہا ہے۔ اسی طرح مختلف نیتیں درسگاہ کے لئے بھی ہم کرسکتے ہیں اور مارکیٹ جانے کے لئے بھی مختلف نیتیں کرنے سے ان سب کا ثواب حاصل کرسکتے ہیں، کیونکہ جب یہ اچھی اچھی نیتیں کرکے انسان مارکیٹ جائے گا تو وہاں جاکر جو کام کرے گا وہ بھی عبادت میں شمار ہوگا اور اس کا آنا جانا یہ بھی عبادت میں شامل ہوکر اس کے لئے باعثِ اجر وثواب ہوجائے گا۔

اسی لئے میں عرض کررہا ہوں کہ نیت کو ہم سب اپنے پلّے میں باندھ لیں، کیونکہ یہ ایک ایسی عجیب وغریب نعمت ہے کہ اس سے وقت بہت جلد اور بہت ہی زیادہ قیمتی بن جاتا ہے۔

مباح کاموں میں زیادہ وقت گزرتا ہے

بہرحال! عبادات کا وقت اور حصّہ تھوڑا ہوتا ہے اور مباحات کا وقت اور حصّہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور گناہ کا وقت بھی بہت تھوڑا ہوتا ہے، اِلَّا یہ کہ انسان گناہ پر کمر ہی کس لے ''اللہ بچائے'' کیونکہ گناہ کے مواقع بھی صبح سے شام تک بہت کم آتے ہیں، زیادہ وقت انسان عام طور پر مباح کام کرنے میں ہی

گزارتا ہے، تو مباح کاموں میں جو وقت گزرتا ہے اس وقت کو قیمتی بنانے کے لئے نیت کا استعمال بہت زیادہ کر دیں تا کہ ہمارے اجر وثواب اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہے۔

حسن نیت کا ایک واقعہ

نیت کے بہترین استعمال کرنے پر ایک واقعہ یاد آیا جو کہ ہمارے دارالعلوم کے ہی ایک استاد صاحب کا ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ بتایا کہ میں نے فجر کی نماز کے بعد ٹہلنے کے معمول میں پچاس نیتیں سوچیں۔ تو آپ غور کریں کہ صبح صبح ٹہلنا، یہ ایک ہی عمل ہے اور اس میں ایک ہی وقت صرف ہوتا ہے، مگر وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں اس وقت اس کے بارے میں پچاس نیتیں ڈالیں تو میں نے وہ پچاس کی پچاس نیتیں کر لیں، اس طرح ایک ہی وقت اور ایک ہی عمل میں ہر نیت کا الگ الگ ثواب مل جائے گا۔

اہل اللہ کا کمال

اللہ والوں کا یہی کمال ہوتا ہے کہ اول تو ان کا وقت غفلت میں بہت ہی کم گزرتا ہے، پھر اللہ پاک انہیں یہ گر استعمال کرنے کی بھی توفیق دے دیتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ان کے اوقات میں شاید ہی کوئی وقت ایسا ہو جو غفلت میں گزرے، ورنہ ان کا سارا وقت یا تو یاد الٰہی میں گزرتا ہے یا حسن

نیت کی وجہ سے عبادت میں گزرتا ہے اور اگر کہیں کمی کوتاہی ہوگئی تو توبہ و استغفار میں گزرتا ہے، اس طرح ان کی زندگی کے اوقات کسی نہ کسی طرح عبادت میں گزرتے ہیں۔

مرید کا پیر صاحب کو گھر لیجانا

ایک واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں بھی آتا ہے کہ ایک مرید نے اپنا نیا مکان بنوایا، جب مکان بن کر تیار ہوگیا تو اس نے اپنے پیر صاحب کو دعوت دی کہ حضرت! آپ گھر تشریف لے چلیں اور گھر کا افتتاح فرما دیں اور ساتھ ساتھ کھانا بھی تناول فرمائیں اور برکت کے لئے دعا بھی فرما دیں، آپ کے آنے کی وجہ سے گھر میں برکت ہو جائے گی۔

پیر صاحب اس مرید کے گھر تشریف لے گئے، اس نے اپنے حضرت کو اپنی نئی بیٹھک میں بٹھایا، اس بیٹھک میں اس نے ایک کھڑکی بھی لگوائی تھی، حضرت کو کھڑکی کے قریب ہی بٹھایا اور خود بھی حضرت کے سامنے ہی بیٹھ گیا، پیر صاحب نے پوچھا کہ بھئی یہ کھڑکی کیوں لگوائی ہے؟ تو اس نے کہا کہ حضرت! ہوا اور روشنی آنے کے لئے لگوائی ہے، تو حضرت نے قدرے تأسف سے فرمایا کہ اگر نیت اس کھڑکی کے لگوانے میں یہ کر لیتا کہ میں کھڑکی اس لئے لگوا رہا ہوں تاکہ اس میں سے اذان کی آواز آئے، تو اذان کی آواز آنے کی نیت سے جب تک یہ کھڑکی یہاں رہتی، تمہیں اس کا ثواب ملتا رہتا۔ ”سبحان اللہ“ کیا بہترین تعلیم فرمائی۔ تو دروازے اور کھڑکیاں عام طور پر آنے جانے

اور ہوا اور روشنی وغیرہ کی نیت ہی سے لگوائے جاتے ہیں جو ایک جائز اور مباح نیت ہے، لیکن اس کے ساتھ بہت سے نیک کام بھی تو وابستہ ہیں، اگر عقل ہو جو اللہ والوں کو نصیب ہوتی ہے، اللہ پاک ان کے طفیل ہمیں بھی نصیب فرمائے، تو پھر ایسی ایسی نیتیں بھی ہو سکتی ہیں کہ وہی دروازہ وہی کھڑکی ہوگی مگر حسن نیت ان کو عبادت میں تبدیل کر دے گی اور ہوا اور روشنی تو پھر بھی آ کر ہی رہے گی۔

بہر حال! تیسرا وقت ہمارا صبح و شام ایسا ہوگا کہ جس میں ہم نہ نیکی کر رہے ہوں گے اور نہ ہی کوئی برا کام کر رہے ہوں گے، بلکہ وہ وقت ایک جائز اور مباح کام میں صرف ہو رہا ہوگا، تو اگر صرف جائز اور مباح کام میں کوئی وقت صرف ہوا تو بھی یہ ایک طرح کا نقصان ہے، اس لئے کہ کسی وقت میں گناہ کرنا یہ تو واضح نقصان ہے ہی، لیکن ایک صورت یہ ہے کہ تھوڑے سے وقت میں معمولی عمل سے ہم بہت سارا ثواب حاصل کر سکتے تھے مگر اپنی غفلت اور سستی کی وجہ سے وہ وقت جائز اور مباح کام میں صرف کر کے وہ ثواب حاصل نہ کر سکے تو یہ بھی ایک طرح کا نقصان ہی ہے، اور اسی کو عدم النفع کہتے ہیں۔ یعنی نفع کا نہ ہونا یہ بھی ایک طرح کا نقصان ہے، اور دنیا والے تو اس کو نقصان سمجھتے ہیں مگر دین والے الا ماشاء اللہ اس کو نقصان نہیں سمجھتے، یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔

ایک تاجر کا واقعہ

عدم النفع کو نقصان سمجھنے پر ایک تاجر کا واقعہ یاد آیا، ہمارے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک تاجر آیا کرتے تھے اور جب بھی آتے تو سال بھر کی تجارت کا خسارہ حضرت کو سناتے تھے کہ حضرت! اس سال بیس کروڑ کا خسارہ ہوگیا، اس سال دس کروڑ کا خسارہ ہوگیا اور اس سال پانچ کروڑ کا خسارہ ہوگیا۔ تو وہ کروڑوں اور لاکھوں میں حضرت کو اپنا نقصان بتاتے اور حضرت یہ سن کر بہت دِلگیر ہوتے کہ یہ بے چارہ مسکین سال بھر محنت کرتا رہتا ہے اور آخر میں اس کو اتنا بھاری نقصان ہو جاتا ہے۔ آخر ایک دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاجر سے پوچھا کہ بھائی! تم ایسا کونسا کاروبار کرتے ہو کہ اس میں نفع کا کوئی خانہ ہی نہیں، کبھی یہ نہیں بتاتے کہ اتنا نفع ہوا بلکہ جب بھی بتاتے ہو تو نقصان ہی نقصان کا ذکر کرتے ہو، تو تمہیں کونسی ایسی مجبوری ہے کہ اتنے نقصان والے کاروبار کو اختیار کئے ہوئے ہو، یہ کیسا نقصان ہے کہ تم ہمیشہ اس کو برداشت کرتے رہتے ہو اور ذکر کرتے رہتے ہو، مگر اس کو چھوڑنے کا نام تک نہیں لیتے، بھئی اگر اتنا بڑا نقصان تمہیں مستقل برداشت کرنا پڑ رہا ہے تو اس کاروبار کو چھوڑ کر کوئی ایسا کاروبار کرو جس میں نفع بھی ہو، ہمیشہ خسارہ دینے والے کاروبار کو چھوڑ دو۔ تو اس تاجر نے کہا کہ حضرت دراصل بات یہ ہے کہ ہم جب کوئی فیکٹری یا کارخانہ لگاتے ہیں یا کوئی مال وغیرہ خریدتے ہیں تو ہم اپنے ذہن میں یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ اس سال اس میں ہمیں اتنا نفع

ہونا چاہئے، مثلاً ہم یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ اس سال اس فیکٹری یا کارخانے میں ہمیں دس کروڑ کا فائدہ ہونا چاہئے اور پھر اس میں اگر پانچ کروڑ کا نفع ہوا تو ہم لوگوں کو یہ بتاتے ہیں کہ اس میں پانچ کروڑ کا نقصان ہوا ہے، یا مثلاً ہم نے یہ تخمینہ لگایا کہ اس سال ہمیں پچاس لاکھ کا فائدہ ہونا چاہئے اور چالیس لاکھ کا نفع ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ دس لاکھ کا نقصان ہوگیا۔ یعنی دس لاکھ جو کہ متوقع نفع تھا، اس کو نقصان شمار کرتے ہیں اور حقیقت میں جو چالیس لاکھ کا فائدہ اور نفع ہوا اس کا کہیں بھی تذکرہ نہیں کرتے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ سنا تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ میں سمجھا کہ اس بیچارے کا کتنا نقصان ہو رہا ہے، مگر معلوم ہوا کہ اِن تاجر لوگوں کے ہاں عدم النفع بھی خسارہ ہے اور عموماً ہمارے یہاں اس کی زیادہ اہمیت نہیں، حالانکہ آخرت کے اعتبار سے ہمیں اس کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہئے کہ جن جن اوقات ولمحات اور جن کاموں میں ہم حسن نیت کے ذریعہ یا کسی اور طرح سے آخرت میں ثوابِ عظیم حاصل کرسکتے ہیں تو کرلینا چاہئے، اور اگر نہ کرسکیں تو یہ بہت بڑا خسارہ اور نقصان ہے۔

تہجد کی عظیم فضیلت

تہجد کے بارے میں ایک فضیلت اس وقت مجھے یاد آئی، وہ آپ کو سناتا ہوں، ایک روایت میں ہے کہ جو شخص مسجدِ نبوی ﷺ میں نماز پڑھے تو اس کو دس ہزار گنا نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، بعض روایتوں میں پچاس ہزار کا

بھی ذکر ہے، مگر اس روایت میں دس ہزار کا ذکر ہے، ورنہ عام طور سے مسجد نبوی علیہ میں پچاس ہزار گنا اور بیت المقدس میں پچیس ہزار گنا ثواب ملنے کا ذکر ہے اور اس روایت میں اس طرح ہے کہ مسجد نبوی علیہ میں نماز پڑھنے کا ثواب دس ہزار گنا زیادہ ہے اور حرم شریف میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اور سرحدِ اسلام کی حفاظت کے دوران نماز پڑھنے کا ثواب بیس لاکھ کے برابر ہے اور تہجد کے وقت دو رکعت نفل پڑھنے کا ثواب اِس سے بھی زیادہ ہے۔ تو تہجد کی دو رکعت نماز پڑھنے کا ثواب بیس لاکھ سے بھی زیادہ ہے تو کہاں بیس لاکھ اور کہاں دو رکعت۔

اب تہجد کے لئے اٹھنا ہم میں سے ہر ایک کے اختیار میں ہے اور آسان ہے، کوئی مشکل نہیں ہے، بس ذرا سی ہمت اور دعا اور نیت کی ضرورت ہے، آج کل تو موقع بھی ہے، کیونکہ سردیوں میں راتیں لمبی ہوتی ہیں، ساڑھے پانچ بجے بھی اگر آدمی اٹھ جائے تو وضو کرکے آرام سے دو رکعتیں پڑھ سکتا ہے اور جو اِن دنوں میں پابندی کرلے گا تو گرمیوں میں بھی اس کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ اُٹھنا آسان ہو جائے گا۔ بہرحال یہ کام کوئی اتنا مشکل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے لئے آسان فرمادیں۔ آمین۔

بہرحال تہجد کی دو رکعتوں کا ثواب بیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ دو رکعت میں بمشکل عام طور سے ڈھائی یا تین منٹ لگتے ہیں اور ذرا ٹھہر ٹھہر کر آرام سے پڑھے تو چار یا پانچ منٹ میں آسانی سے دو رکعت

مکمل ہو جاتی ہیں، لمبی قرأت اور لمبے رکوع وسجود کی بات علیحدہ ہے، تو ان دو رکعتوں میں کتنا قلیل اور معمولی سا وقت خرچ ہوتا ہے لیکن یہی وقت اتنا قیمتی بن جاتا ہے کہ ایک دم دو رکعت پڑھنے سے بیس لاکھ نمازوں کا ثواب آخرت میں اس کے نامۂ اعمال میں درج کیا ہوا ملے گا۔

بیس لاکھ نیکیاں

اسی طرح:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ اَحَدًا
صَمَدًا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ

یہ کلمہ بہت مشہور ومعروف ہے، اس میں آدھی تو قل ھواللہ ہے جو کہ ہر بچے کو یاد ہوتی ہے، شروع میں کلمہ شریف ہے وہ بھی ہر مسلمان کو یاد ہوتا ہے، بس درمیان میں دو لفظ احداً صمداً یہ نئے ہیں، انہیں یاد کرلیں۔ تو اس کلمے کے بارے میں یہ فضیلت ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ یہ کلمہ پڑھ لے تو اس کو بیس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں۔ آپ سوچئے کہ اس میں کتنا وقت گزرا ہے؟ ایک منٹ نہیں بلکہ چند سیکنڈ صرف ہوئے ہیں، تو یہ چند سیکنڈ کتنے قیمتی ہیں جو اس کے پڑھنے میں گزر گئے کہ بیس لاکھ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو گئیں۔ اور اگر پانچ مرتبہ پڑھ لیا تو ایک کروڑ نیکیاں مل گئیں، دس دفعہ پڑھ لیا تو دو کروڑ نیکیاں ہو گئیں، روزانہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ پڑھ لیں تو دس کروڑ نیکیاں روزانہ اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو جائیں گی۔ دیکھئے اس میں

وقت تھوڑا سا لگ رہا ہے اور کروڑوں نیکیاں اس کے لئے جمع ہو رہی ہیں۔

دس ارب نیکیاں

اسی طرح حج کے اندر یہ فضیلت ہے کہ منیٰ سے عرفات تک جو شخص پیدل جائے تو اس کو از روئے حدیث دس ارب نیکیاں ملتی ہیں۔ حالانکہ چھ میل کا فاصلہ ہے اور اس میں پیدل چلنے میں چھ گھنٹے بھی نہیں لگتے، بمشکل چند گھنٹے لگتے ہیں اور دس ارب نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ ہمارے یہ لحاتِ زندگی کتنے قیمتی ہیں کہ اگر انہیں بچا بچا کر انسان اچھے کاموں میں خرچ کرے تو تھوڑے سے وقت میں نہ جانے کتنے اجر و ثواب کا مالک بن جائے۔

جنّت میں محل

دس مرتبہ قل ھو اللہ پڑھنے سے جنّت میں ایک محل تیار ہوتا ہے۔ اور ایک مرتبہ اپنے والد یا والدہ کی طرف محبت سے نظر ڈالنے میں ایک مقبول حج کا ثواب ملتا ہے۔ اس حدیث میں مقبول کی بھی صراحت ہے، ورنہ ایک لاکھ روپیہ خرچ کر کے بھی اگر کوئی حج کر آئے تو اس کے مقبول ہونے کا یقین کرنا مشکل ہے اور پھر اس میں وقت بھی بہت زیادہ خرچ ہوگا، لیکن والد یا والدہ کی طرف محبّت سے ایک نظر ڈالنے میں وقت بھی معمولی لگے گا اور پھر ثواب بھی مقبول حج کا ملے گا۔ اب اگر کسی نے محبت کی نظر اپنی والدہ یا والد پر ہزاروں

بار ڈالی تو اس کے نامۂ اعمال میں ہزاروں مقبول حج کا ثواب درج ہو جائے گا۔ سبحان اللہ!

زندگی کی قیمت پہچانیں

ہمیں سوچنا چاہئے کہ اللہ پاک نے ہمیں کتنی قیمتی زندگی دے رکھی ہے، مگر ہم اس کو انتہائی بے دردی کے ساتھ ضائع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ کسی نے اس کو کیا خوب کہا ہے ؎

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

کہ یہ زندگی برف کی طرح پگھل رہی ہے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری زندگی کی مثال برف بیچنے والے کی سی ہے کہ برف بیچنے والے کا کل سرمایہ برف ہے اور وہ برابر پگھل پگھل کر بہہ رہا ہے اور اس کا قطرہ قطرہ نالی میں جا رہا ہے، اس کا فائدہ اس میں ہے کہ جتنی جلدی برف بک جائے گی اتنی جلدی پیسے کھرے ہو جائیں گے اور جو بچ جائے گی وہ اس کا سرمایہ پانی بن کر بہہ جائے گا۔ بالکل اسی طرح ہماری زندگی کے یہ سانس بھی گنے چنے ہیں، جو سانس ایک مرتبہ لے لیا وہ لے لیا، اب دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گا، اب نیا سانس آئے گا۔ اسی طرح جو منٹ، گھنٹہ، دن، ہفتہ، مہینہ حتی کہ جو سال گزر گیا وہ گزر گیا، اب دوبارہ واپس نہیں آئے گا، وہ ختم ہو گیا، جو گیا سو گیا اور جو آیا اس کو اگر صحیح استعمال کر لیا تو کھرا کر لیا، اگر ضائع کر دیا تو

کھودیا۔

وقت کو ضائع کرنے سے بچیں

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے سرمایہ حیات کو محض اپنے فضل سے حقیقتاً اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ یہ ہمارا وقت بے کار اور فضولیات میں ضائع نہ ہو اور فضول مجلسوں، فضول بیٹھکوں، فضول کاموں اور فضول باتوں میں ضائع نہ ہو۔ آج کل اس کی بہت عادت ہے کہ ہمارا وقت یا تو معاصی میں ضائع ہوتا ہے اِلا ماشاء اللہ یا پھر فضول اور بے کار بیٹھے ہوئے ہیں، بے کار لیٹے ہوئے ہیں، بے کار باتیں کر رہے ہیں، ادھر ادھر کے تبصرے ہو رہے ہیں، کبھی اخبارات پر، کبھی ان کی خبروں پر، کبھی حکومت پر، کبھی اپنے ملک پر اور کبھی دوسرے ممالک پر کہ جن کا نہ تو کوئی فائدہ ہے، نہ ضرورت و حاجت ہے، اور نہ ہی اس کا کوئی نتیجہ اور حاصل ہے، بس فضول وقت ضائع کیا جارہا ہے۔

اسی طرح اگر کمروں میں جا کر بیٹھتے ہیں تو فضول بیٹھے ہوئے ہیں اور گھنٹوں ادھر ادھر کی باتیں ہانکنے میں لگے ہوئے ہیں، ان میں فضول اور لایعنی باتیں تو خود معصیت ہیں ہی، اس کے علاوہ ان میں غیبتیں، جھوٹ، الزام، بہتان، دل آزاری، بدتمیزی، بدتہذیبی، بداخلاقی، اور ساتھ ساتھ ایسا مذاق و استہزاء کہ جس سے دوسرے کو تکلیف اور اذیّت ہو، یہ سب شامل ہوتے ہیں، اس طرح وقت گزارنا یہ تو معصیت میں وقت گزارنا ہے اور جس وقت کوئی

بندہ معصیت میں وقت گزار رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

دعا

اس لئے میرے عزیزو اور بزرگو! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اس قیمتی سرمایہ حیات کو جو کہ اس نے محض اپنی رحمت سے ہم سب کو عطا فرمایا ہوا ہے، زیادہ سے زیادہ آخرت کے کاموں میں اور زیادہ سے زیادہ اچھے کاموں اور حسن نیت کے ساتھ جائز اور مباح کاموں میں لگانے کی توفیق دیں اور جو وقت گزر گیا اس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں اور جو خصوصًا وقت گناہ اور معصیت اور لایعنی وفضول کاموں میں گزرا ہے، اس کو بھی معاف فرما دیں۔ اور ان کی قدرت میں یہ بھی داخل ہے اور ان کے خزانہ رحمت میں کوئی کمی بھی نہیں آئے گی کہ جو نیک کام اِن اوقات ماضیہ میں ہوسکتے تھے اور ہم نہ کر سکے، اللہ پاک ان کا ثواب بھی ہمارے اعمال ناموں میں درج فرما دیں۔ ہمیں دعا تو کرنی چاہئے، وہ کریم الکرماء ہیں، انہوں نے دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔

تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

دل و جان سے گڑگڑا کر دعا کریں کہ یا اللہ! ہم تو ناواقف اور نالائق ہیں، بس آپ ہم پر اپنا کرم فرما دیجئے، آپ کے کرم سے ہی اوّل بھی کام

چلے گا اور آپ ہی کے کرم سے آخر میں بھی کام چلے گا، اور اے اللہ! جو وقت ہم غفلت میں گزار چکے ہیں، اے کریم! آپ اس وقت کو بھی کھرا کر دیجئے، اور ہماری نمازوں، حج، تسبیح اور نیک کاموں پر ثواب لکھ دیجئے، اور ہم سے جو گناہ ہو گئے ہیں ان پر معافی کا قلم پھیر دیجئے۔ اور اب تک جو وقت گزرا سو گزرا، اب انشاء اللہ ہمارا کوئی وقت غفلت اور نافرمانی میں نہیں گزرے گا اور جائز ومباح کام میں بھی جو وقت گزرے گا تو انشاء اللہ کوشش کر کے حسن نیت کر کے اس کو بھی کارآمد بنائیں گے۔ اور مستقبل کے لئے بھی یہ تہیہ کر لیں اور دعا بھی کرتے رہیں کہ یا اللہ! اب جو وقت ہمارا باقی رہ گیا ہے، وہ گناہوں، نافرمانیوں، فضولیات اور بے کار کاموں میں نہ گزرے بلکہ آپ کی یاد میں اور آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں گزرے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

رمضان المبارک کی تیاری

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رمضان المبارک کی تیاری کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلاً کَرِیْمًا O

(سورۃ النسآء: آیت نمبر ۳۱)

صدق اللہ العظیم۔

تمہید

میرے قابل احترام بزرگو اور محترم خواتین! آج بھی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنی کسی اہم مصروفیت کی وجہ سے تشریف نہیں لاسکے اور مجھے حاضر ہونے کا حکم دیا، اس لئے ناچیز آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ اور آئندہ اتوار کو حضرت کا سفر ہے، اس لئے آئندہ اتوار بھی حضرت تشریف نہ لاسکیں گے، اور اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ رمضان شریف کا مہینہ شروع ہو جائے گا، اور آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ رمضان المبارک میں مجلس کا یہ سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے۔

انفاس عیسیٰ اور اصلاح نفس

البتہ اس سے بہتر ایک اور سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ رمضان المبارک میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں روزانہ ظہر کی نماز کے بعد بیان

فرماتے ہیں اور وہ بیان بڑا ہی اہم ہوتا ہے، اس وجہ سے اہم ہوتا ہے کہ وہ اصلاحِ نفس کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ اصلاحِ نفس کے سلسلہ میں حکیم الامّت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب "انفاسِ عیسیٰ" جو ان کے خلیفہ اجل حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کے ملفوظات و مواعظ میں سے انتخاب فرماکر مرتب فرمائی ہے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے باطن کے اخلاق کے بارے میں جو ہدایات و تعلیمات اور حقائق بیان فرمائے ہیں اور ان کے حاصل کرنے کے طریقے بیان فرمائے ہیں ان کو اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے، اور جہاں جہاں حکیم الامّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے باطن کی جو بداخلاقیاں اور رذائل بیان کئے ہیں، اور اُن کی حقیقت واضح فرمائی ہے، اور اُن سے بچنے کے طریقے بیان فرمائے ہیں اور اس سلسلہ میں باریک باریک جزئیات کا ذکر فرمایا ہے، وہ بھی اس کتاب میں جمع ہیں۔

طریقت کا مقصود اصلی

اور طریقت کا موضوع اور مقصود اصلی یہی ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے دل میں وہ اچھے اخلاق پیدا ہو جائیں جن سے قرآن و سنّت بھرے ہوئے ہیں، اور ان کا باطن ان تمام رذائل سے پاک ہو جائے اور وہ ساری بداخلاقیاں دور ہو جائیں جن کے دور کرنے کی تاکید سے قرآن و سنّت بھرے ہوئے ہیں۔ قرآن و حدیث میں جہاں نماز روزہ کا ذکر ہے اور

حج وزکوٰۃ کا حکم ہے وہاں حسنِ معاشرت کا بھی حکم ہے اور سوءِ معاشرت سے بچنے کی بھی تاکید ہے۔ قرآنِ کریم میں جہاں ماں باپ کے حقوق کا ذکر ہے وہاں تکبّر کے حرام ہونے کا بھی ذکر ہے، فخر کے ناجائز ہونے کا بھی ذکر ہے، محبّتِ دنیا کی مذمت بھی قرآن و حدیث میں بکثرت موجود ہے، حسد کرنے سے، بغض کرنے سے، غیبت کرنے سے، لڑائی جھگڑا کرنے سے، طعنہ زنی کرنے سے، ایک دوسرے پر تہمت اور الزام تراشی کرنے سے، جھوٹی قسمیں کھانے سے بچنے کا بھی حکم ہے، صبر کا حکم بھی ہے، شکر کا حکم بھی ہے، زہد کا حکم بھی ہے، ورع کا حکم بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی محبّت کا بھی ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت حاصل کرنے کا بھی ذکر ہے، تو یہ جو طریقت کہلاتی ہے وہ ان باتوں کی اصلاح کا نام ہے، ظاہر کے احکام تو شریعت کا حصّہ ہی ہیں، یہ باطن کے احکام بھی شریعت کا حصّہ ہیں۔

باطنی اعمال کی ضرورت واہمیت

اور جب تک انسان کے باطن کی اصلاح نہ ہو اور اس کے اندر اچھے اخلاق پیدا نہ ہوں اور بداخلاقیاں دور نہ ہوں، اس وقت تک انسان کے ظاہری اعمال بھی بے جان رہتے ہیں، وہ بھی ناقص و نامکمل رہتے ہیں، ان میں کمال بھی اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان کے باطنی اعمال درست ہوتے ہیں۔ بہرحال اس کتاب "انفاس عیسیٰ" میں ان سب چیزوں کی

تفصیل موجود ہے اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اس کتاب میں سے حضرت تھانوی صاحبؒ کے ملفوظات پڑھتے ہیں اور پھر ان کی تشریح فرماتے ہیں، لہٰذا کتاب تو ہو حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اور تشریح کرنے والے ہوں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم تو یہ نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کو علم کا بہتا ہوا دریا بنایا ہے، چنانچہ کبھی تو حضرت ایک ہی ملفوظ بیان فرماتے ہیں اور پورا بیان اسی پر ہو جاتا ہے، اور اس کی کیسٹیں بھی ملتی ہیں، اس لئے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، جن کے پاس وہاں جانے کا وقت نہ ہو وہ پچھلے سال کی کیسٹیں حاصل کر سکتے ہیں، اور اپنے گھر والوں کو بھی سنا سکتے ہیں اور خود بھی سن سکتے ہیں اور سفر میں بھی اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں، اور جن کو اللہ تعالیٰ اتنی ہمّت و طاقت عطا فرمائیں، ان کے لئے یہ نعمت حاصل کرنے کے لئے رمضان شریف میں روزانہ ظہر کی نماز دار العلوم میں جا کر پڑھنا اور بیان سن لینا کچھ مشکل کام نہیں۔

رحمتوں والا مہینہ

یہ جو ماہِ مبارک آ رہا ہے، یہ کوئی معمولی مہینہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا یوں تو روزانہ ہی ہم پر بڑا کرم اور اس کا احسان اور اس کا انعام ہے، روزانہ ہی ان کی نوازشیں اور عنایتیں انگنت اور بے شمار ہیں، چوبیس گھنٹے ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے، اور ہم اتنے نکمے اور نالائق

اور کور چشم ہیں کہ بس وہ لمحات گزرتے رہتے ہیں اور ہم غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔

ان کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

وہ تو اپنا کرم اور اپنی عنایتیں فرماتے ہی رہتے ہیں، ہم ان کو حاصل نہ کریں تو ہماری کوتاہی ہے، ان کی عطا میں تو کوئی کمی نہیں۔

سوا تین کروڑ گنا ثواب

یوں تو نماز کے بڑے فضائل ہیں، لیکن "فضائل نماز" میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض روایات میں جو فضائل آئے ہیں نماز باجماعت کے، ان سب فضائل کو جوڑ کر ان کا حساب لگا کر بیان فرمایا ہے کہ جو آدمی مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتا ہے، اس کو سوا تین کروڑ گنا نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

ایک نماز قضاء کرنے کا گناہ

اور دوسری طرف یہ وعید بھی حضرت نے لکھی ہے کہ اگر کوئی آدمی بلا کسی شرعی عذر کے دانستہ کوئی نماز قضاء کر دے پھر چاہے وہ بعد میں قضاء بھی پڑھ لے تو اللہ بچائے اس کو ایک نماز جان بوجھ کر بلا عذر شرعی قضاء کرنے کی بناء پر جہنم میں دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال تک جلایا جائے گا،

العیاذ باللہ، ہاں! اگر وہ سچی توبہ کرلے گا تو معاف ہو جائے گا، کیونکہ نماز قضاء کرنا اتنا سنگین گناہ ہے کہ اس کی یہ سزا ہے لیکن توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے، یہ گناہ بھی معاف ہو گا تو اس کی سزا بھی معاف ہو جائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ، تو دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال یہ عذاب ہے اور سوا تین کروڑ گنا ثواب ہے۔ اس اعتبار سے اللہ کی رحمت اس کے غضب پر پھر بھی غالب ہے۔

انچاس کروڑ گنا ثواب کی حقیقت

اور تبلیغی جماعت میں جو فضیلت بیان کی جاتی ہے کہ جو اللہ کے راستہ میں نکلے گا اور نکل کر اللہ کے راستہ میں جو بھی بدنی عبادت انجام دے گا، جیسے نماز ہے، روزہ ہے، حج ہے، عمرہ ہے اور سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ ہے، قرآن کریم کی تلاوت ہے، یہ سب جسمانی عبادات کہلاتی ہیں، تو اس کو انچاس کروڑ گنا ثواب ملتا ہے، تو یہ ثواب اس تعداد کے ساتھ صاف صاف حدیث میں تو نہیں ہے، البتہ یہ دو تین حدیثوں کو جوڑ کر حساب لگایا گیا ہے اور حساب سے یہ ثواب بنتا ہے اور یہ فضیلت درست ہے، غلط نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستوں کی مختلف صورتیں

لیکن یہ مذکورہ ثواب تبلیغی جماعت میں نکلنے کے ساتھ خاص نہیں

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے راستے بہت سارے ہیں،اس مخصوص طریقہ کے تحت نکلنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلنا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص مثلاً کہیں دین کے موضوع پر وعظ کہنے کے لئے جائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، یا کوئی وعظ سننے کے لئے جائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، یا کسی مدرسہ میں دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جائے، یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے فی سبیل اللہ دین کی تعلیم دینے کے لئے جائے، یا اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آئے، یا حج وعمرہ کرنے کے لئے جائے، یا جہاد کرنے کے لئے جائے، یا کوئی اپنے ماں باپ کی خدمت کرنے کے لئے اپنے گھر سے جائے، یہ سب دین کے راستے ہیں، اللہ تعالیٰ کے راستے ہیں، اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ان کاموں میں سے کسی کام کے لئے نکلے گا اور نکل کر راستہ میں کوئی بدنی عبادت انجام دے گا تو اس کو انچاس کروڑ گنا ثواب ملے گا۔

رحمٰن کی مخصوص رحمتیں

یوں تو اللہ تعالیٰ کی ہم پر روزانہ ہی بڑی عنایتیں اور بڑی مہربانیاں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ بطورِ انعام کے سال کے مختلف دنوں، راتوں اور مہینوں میں اور زیادہ اپنی رحمتیں اور برکتیں بندوں کے اوپر متوجہ فرماتے ہیں، جیسے شب برأت ہے کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، عرفہ کی رات ہے، عیدالاضحیٰ کی رات ہے، عیدالفطر کی رات ہے،

دس محرم الحرام کا دن ہے، جمعہ کا دن ہے، شب جمعہ ہے، اور یکم ذی الحجہ سے لے کر دس ذی الحجہ تک کے دن اور رات ہیں، ان دس دنوں میں سے ہر دن کی رات شب قدر کے برابر ہے، اور دس تاریخ کے علاوہ باقی دن کے روزوں میں سے ہر روزہ کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ مختلف راتوں اور دنوں میں اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی مہربانیاں اپنے بندوں پر کرتے رہتے ہیں، ان خاص دنوں میں اگر بندے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو خاص الخاص اجر و ثواب سے مالامال فرمادیتے ہیں۔

اہمیتِ رمضان اور اس کی تیاری

ان سارے مواقع میں سب سے خاص رمضان شریف کا مہینہ ہے، اس کے اجر و ثواب کی تو انتہاء ہی نہیں، بس یہ سمجھ لیا جائے کہ سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں، گیارہ مہینے اللہ تعالیٰ نے ہمارے واسطے مقرر کئے ہیں اور یہ ایک مہینہ انہوں نے اپنے لئے خاص فرمایا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ یہ مہینہ خاص میرے لئے ہے، اس کو خاص میری عبادت میں گزارنے کی کوشش کرو۔ لہٰذا ہمیں اس مہینہ کے اندر اس کا کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر زیادہ سے زیادہ اس کے رات و دن میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے پہلے سے تیاری کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ دنیا میں یہی قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی سیزن میں تجارت کرنا چاہتا ہے تو اس کے آنے سے بہت پہلے وہ اس کی تیاری کرتا ہے، اور جو تیاری کرتا ہے

وہ سیزن میں کماتا ہے، اور جو سیزن آنے کے بعد تیاری شروع کرتا ہے، تو وہ خسارہ سے دوچار ہوتا ہے، اب اگر رمضان شریف کے آنے کے بعد ہم نے تیاری کرنی شروع کی تو مہینہ ہفتہ بھر میں گزر جائے گا پتہ ہی نہ چلے گا، تیاری سوچتے سوچتے آدھا مہینہ ہو جائے گا، پھر کچھ کرنا شروع کریں گے تو باقی مہینہ ختم ہو جائے گا۔

پہلی تیاری دعا

لہٰذا ضروری ہے کہ اب ہم رمضان شریف کے لئے اس کے آنے سے پہلے ہی تیاری کریں اور پوری طرح اس کے واسطے تیار رہیں، تیاری کے لئے ہمیں چند کام کرنے ہوں گے، جن میں سب سے پہلا کام تو دعا ہے اور یہ دعا نبی کریم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور منقول ہے، ایک دعا رجب کے مہینہ کے شروع میں کرنا ثابت ہے اور دوسری دعا رمضان شریف کا مہینہ شروع ہونے سے کچھ دن پہلے کرنا ثابت ہے، دونوں دعائیں ہم اردو میں بھی مانگ سکتے ہیں، اور اس کے علاوہ بھی مانگتے رہیں۔

ماہ رجب کی دعا

ماہ رجب کا چاند دیکھ کر آپ جو دعا فرماتے وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا

رَمَضَانَ۔

اے اللہ! ہمیں رجب اور شعبان کے مہینہ میں برکت
عطا فرما اور ہم کو عافیت کے ساتھ ماہ رمضان نصیب
فرما۔

ہم روزانہ یہ دعا کریں، کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ کس وقت موت آ جائے، وہ چاہیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ماہِ مبارک نصیب ہو جائے گا اور اگر نہ چاہیں گے تو چاند رات میں بھی کسی کا انتقال ہو سکتا ہے۔

ایک واقعہ

اور آئے دن ایسے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں، ابھی ہمارے دارالعلوم کے قریب ایک صاحب ادھیڑ عمر کے تھے، ماشاء اللہ صحت مند تھے، کوئی ایسی تکلیف نہیں تھی، بالکل ٹھیک ٹھاک تھے، دوکان پر بیٹھے تھے، مغرب کے وقت نماز پڑھنے کے لئے مسجد تشریف لے گئے، نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر اپنے ایک دوست کے ساتھ آرہے تھے، ایک کنارے پر اپنے دوست کے ساتھ باتیں کرنے لگے، بس گرے اور انتقال ہو گیا۔ کسی کو پتہ نہیں کہ کس وقت اس کا پروانہ آجائے، اس لئے دھوکہ میں نہیں رہنا چاہئے کہ ابھی میں بہت زندہ رہوں گا، یہ دھوکہ انسان کو لے ڈوبنے والا ہے، جو کچھ کرنا ہے فوراً کرلیں، جس نے کرلیا اس نے پالیا، جس نے امید لگائی وہ رہ گیا۔ اس لئے یہ دعا بھی بڑی اہم اور ضروری ہے، رمضان شریف

وہی نصیب فرمانے والے ہیں، وہی توفیق دینے والے ہیں، وہی گناہوں سے بچانے والے ہیں، وہی رمضان شریف کی برکتوں سے مالا مال کرنے والے ہیں۔

قربِ رمضان کی دعا

اور جب رمضان شریف کا مہینہ بالکل قریب آ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کی ایک آیت کی طرح اہتمام سے یہ دعا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ سَلِّمْنِیْ لِرَمَضَانَ وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِیْ وَسَلِّمْهُ لِیْ مُتَقَبَّلاً۔

اے اللہ! مجھے رمضان کے لئے سلامت رکھئے، اور رمضان کو میرے لئے سلامت رکھئے، اور میرے لئے رمضان کو مقبول بنا کر سلامت رکھئے۔

چنانچہ اگر رمضان شریف نصیب ہو لیکن وہ ہمارے حق میں مقبول نہ ہو، تو اس کا کیا فائدہ؟ کچھ بھی نہیں، اصل تو یہ ہے کہ رمضان شریف بھی نصیب ہو، ہم بھی سلامت رہیں، اور رمضان شریف بھی سلامت رہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں رمضان شریف مقبول بھی ہو جائے تو پھر ہم نے انشاء اللہ تعالیٰ بھرپور نفع اٹھالیا، یہ انہیں کی توفیق سے ہوگا، انہیں کی عطاء سے ہوگا، وہی رمضان شریف نصیب فرمانے والے ہیں، وہی اس میں توفیق

عمل دینے والے ہیں، وہی مغفرت کرنے والے ہیں، وہی بخشش کرنے والے ہیں، وہی دنیا و آخرت کی نعمتیں عطاء کرنے والے ہیں، وہی اجر و ثواب کی بارش برسانے والے ہیں، بیدہ الخیر، خیر انہیں کے قبضہ میں ہے، انك علیٰ کل شیء قدیر۔ بیشک آپ ہی ہر چیز پر قادر ہیں۔ تو سب سے پہلے یہ دعا کرنی ہے، اور دعا کی توفیق ہو جانا یہ انشاء اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق ملنے کی علامت ہے، جس دن اور جس وقت آپ کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہو گیا تو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہے اور توفیق ملنے والی ہے۔

تیاری کا دوسرا حصّہ

اور تیاری کا دوسرا حصّہ یہ ہے کہ رمضان المبارک سے پہلے وہ کام کرلیں جن کا تعلق رمضان میں سحریٰ اور افطاری سے ہے، یا بازار کی خریداری سے ہے، یا عید کی خریداری سے ہے، اسی طریقہ سے ہمارے بہت سارے کام رمضان شریف کے ایسے ہیں جو ہم رمضان سے پہلے کر سکتے ہیں، ہر آدمی کو اپنے کاموں کا اندازہ ہوتا ہے، اپنے گھر کا اندازہ ہوتا ہے، اپنی دکان کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طریقہ سے گھر کا سامان ہے، کپڑے ہیں، جوتے ہیں، ٹوپی ہے، اور جو بھی ضروریات ہیں، وہ ساری کی ساری جس قدر ہو سکتی ہوں وہ رمضان شریف سے پہلے پہلے لاکر فارغ ہو جائیں، گھر والوں سے مشورہ کر کے تمام چیزیں پہلے سے لاکر گھر میں رکھ لیں، تاکہ رمضان

شریف کے مہینہ میں ہمارا کم سے کم وقت بازار میں گزرے اور زیادہ سے زیادہ وقت تلاوت میں ذکر میں تسبیح میں دعا میں اور توجہ الی اللہ میں گزر سکے۔ بس وہی چند کام رہ جائیں جو رمضان شریف سے پہلے نہیں ہو سکتے، جن کو رمضان شریف میں کرنا ناگزیر ہے، تو ان کو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور ان میں بھی زیادہ سے زیادہ اس بات کی کوشش کریں کہ مثلاً بازار میں ایسے وقت جائیں کہ اس وقت رش نہ ہو، بھیڑ نہ ہو، اور جو کام شام میں ایک گھنٹہ میں ہوتا ہے اور سویرے پندرہ منٹ میں ہوتا ہے تو سویرے کے وقت میں کر کے آجائیں۔

باقی وقت یاد الٰہی میں

اور دل میں ہر وقت یہ فکر ہو کہ دنیا کے یہ جتنے بھی کام ہیں، یہ جتنی جلدی ہو سکیں نمٹ جائیں اور جو وقت بچے وہ سارا کا سارا اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے اور تلاوت کرنے کے لئے فارغ رہے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عبادت کے واسطے فارغ کرنے کی کوشش کرتے رہیں، اگر ہم اس کا اہتمام کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت سا وقت ہمارا بچ جائے گا اور پھر احتیاط سے رمضان شریف کے لیل و نہار کو یاد الٰہی میں، ذکر الٰہی میں اور دعا مانگنے میں لگانے کی فکر کریں اور کوشش کریں۔

لوگوں سے ملاقاتیں بند کر دیں

اسی طرح جن سے ملنا جلنا ہو تو بہت سی میل ملاقات ایسی ہوتی ہیں جو بہت زیادہ اہم اور ضروری نہیں ہوتیں، یا ضروری ہوتی ہیں لیکن روزانہ ضروری نہیں ہوتیں، ایک مرتبہ کی ملاقات مہینہ بھر کے لئے کافی ہوتی ہے، تو ایسی تمام ملاقاتیں بھی رمضان شریف سے پہلے کر کے فارغ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے رمضان شریف میں بھی ملاقات جائز ہے کوئی حرج نہیں، لیکن غیر ضروری اور بلا ضرورت ملاقات کا بھی یہ مہینہ نہیں ہے، یہ تو بس اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا مہینہ ہے۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے
آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا
ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کا مہینہ ہے، اس لئے غیر ضروری ملاقات سے اجتناب کرنا چاہئے۔ یہ مہینہ تو خالص آخرت کمانے کے واسطے ہے، اس کے لئے ہم اپنے آپ کو فارغ کریں۔

حقوق واجبہ ادا کرلیں

اور رمضان شریف کی تیاری کا یہ بھی حصہ ہے کہ رمضان المبارک

آنے سے پہلے پہلے جتنے بھی فرائض و واجبات اور حقوق العباد ہمارے ذمہ واجب ہیں اور اب تک ہم نے ان کی ادائیگی نہیں کی تو رمضان شریف کے آنے سے پہلے پہلے ان کی ادائیگی کر کے فارغ ہو جائیں، نمازیں قضاء ہیں تو وہ پڑھنا شروع کر دیں، روزے قضاء ہیں تو ان کو ادا کرلیں، کوئی منت واجب ہو چکی ہے اور اسے پورا نہیں کیا تو اسے پورا کرلیں، قرآنِ کریم کے سجدے واجب ہیں ادا نہیں کئے تو اُن کو ادا کرلیں، پچھلے سال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے تو اس کو ادا کر کے فارغ ہو جائیں تاکہ نئے سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی نئے سال میں شروع ہو جائے، اگر کوئی قسم کھائی ہے اور کفارہ واجب ہے تو اسے ادا کرلیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حقوق کہلاتے ہیں۔

بندوں کے حقوق کی ادائیگی کرلیں

اور بندوں کے حقوق میں یہ ہے کہ کسی کو مارا ہے، کسی کو پیٹا ہے، کسی کو طعنہ دیا ہے، کسی کی غیبت کی ہے، کسی کو ستایا ہے، کسی کو پریشان کیا ہے، کسی کا پیسہ کھایا ہے، زمین دبائی ہے، دکان پر قبضہ کیا ہے، مکان قبضہ میں لے رکھا ہے اور اس کو خالی کر کے نہیں دیتے، یہ سب حقوق العباد کی کوتاہیاں کہلاتی ہیں، ان سب کی ادائیگی یا معافی تلافی کر لینی چاہئے، جس جس کا دل دکھایا ہے اس سے معافی مانگ لے، کسی سے کینہ ہے یا کسی سے حسد کا مادہ دل میں ہے تو اس کو دور کرلے، کسی کو مارا پیٹا ہے تو یا بدلہ دیدے یا اس سے معاف کرالے، پیسے کھائے ہیں تو پیسے ادا کردے یا معافی کرالے۔

رمضان شریف سے پہلے پہلے بندوں کے حقوق کی تلافی کر دے۔ یہ تو زندگی میں بار بار کرتے ہی رہنا چاہئے لیکن خاص خاص موقعوں پر جیسے رمضان شریف کے مہینے سے پہلے اور عمرہ یا حج پر جانے سے پہلے اس کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، یہ بڑا اچھا موقع ہوتا ہے، آسانی سے حقوق العباد کی معافی تلافی ہو جاتی ہے۔

سابقہ زندگی کا کچا چٹھا بنالو

حضرت مولانا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رباعی ہے جو اس سلسلہ میں یاد رکھنے کا ہے۔

تم اپنے کئے کی مکافات کرلو
جو راہیں بھلا دیں انہیں یاد کرلو
طریقہ صحابہؓ پہ آ جاؤ گے تم
تو پھر ساری دنیا پہ چھا جاؤ گے تم

مکافات یہی ہے کہ جس جس کو ستایا ہے، پریشان کیا ہے، جو اعمال میں کوتاہیاں رہ گئی ہیں، ان سب کا حساب صاف کر کے برابر کرلیں۔ لوگ اس ماہ میں زکوۃ نکالنے کے لئے حساب بنارہے ہیں، ہم اپنی زندگی کا حساب کرلیں کہ اب تک جو زندگی گزری ہے، کیسی گزری ہے؟ کس کس کے ساتھ ہم نے زیادتی کی ہے؟ کس پر ہم نے ظلم کیا ہے؟ کس کو ہم نے طعنے دئے ہیں؟ کس کس کی غیبتیں کی ہیں؟ کس کس کو مارا ہے پیٹا ہے؟ یہ حقوق

العباد کی کوتاہیاں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے رکاوٹ ہیں، اگر ایک آدمی ساری رات تہجد پڑھتا ہے، دن بھر روزے سے رہتا ہے، لیکن دوسروں کا دل دکھاتا ہے، یاد رکھئے! اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہوسکتی، اس کو تعلق مع اللہ کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی، اللہ تعالیٰ کا تعلق اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے جہاں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنا ضروری ہے، وہاں بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی ضروری ہے، اگر کوتاہی پائی جاتی ہے تو اس کی تلافی ضروری ہے۔ رمضان شریف آنے سے پہلے پہلے یہ بھی اس کی تیاری کا ایک حصّہ ہے کہ ان تمام باتوں سے ہم اپنے آپ کو فارغ کرلیں تاکہ جب رمضان شریف آئے تو ہمارے اوپر نہ کوئی قضاء نماز ہو، نہ کوئی روزہ قضاء ہو، نہ کسی بندہ کا کوئی حق ہمارے ذمہ واجب ہو۔

قضاء نمازوں کی ادائیگی

اگر کسی کی بہت ساری نمازیں یا روزے قضاء ہیں تو وہ کیا کرے؟ ظاہر ہے کہ رمضان سے پہلے تو سب کی قضاء ہو نہیں سکتی، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اوّلاً توبہ کرے اور پھر توبہ کرکے ادا کرنا شروع بھی کردے اور رمضان شریف میں بھی نفلی عبادت کم کرے اور زیادہ سے زیادہ اپنی قضاء نمازیں پڑھے، اور زیادہ سے زیادہ اپنے دیگر واجبات ادا کرتا رہے، اس لئے کہ فرض کی تو آخرت میں پوچھ ہوگی نوافل کی پوچھ نہیں ہوگی، لہٰذا فرائض پہلے

پورے ہونے چاہئیں، لیکن نوافل بالکل بھی نہ چھوڑے، اس لئے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بالکل ہی محروم رہ جائے، اس لئے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں نوافل کا بھی اہتمام رکھیں، لیکن زیادہ سے زیادہ تعداد میں فرائض و واجبات کی طرف متوجہ رہیں۔

رمضان سے پہلے سچی توبہ

اور رمضان شریف کی تیاری کا ایک اہم ترین حصہ یہ بھی ہے کہ ہر شخص رمضان سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ استغفار کرلے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یااللہ! میں بڑا نالائق اور آپ کا بڑا نافرمان بندہ ہوں اور بڑا ہی خطاکار اور سیاہ کار ہوں، یااللہ! مجھے ہرگز ہرگز یہ کام نہیں کرنا چاہئے، یا اللہ! یہ گناہ مجھ سے ہوتا ہے، میں اپنے کئے پر بڑا ہی نادم اور شرمندہ ہوں، مجھے ہرگز ہرگز یہ کرنا نہیں چاہئے تھا۔ اور جو شخص اپنے گناہ پر شرمندہ اور نادم ہی نہ ہو اور وہ گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھتا ہو تو اس کے توبہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

سچی توبہ کے تین رکن

﴿۱﴾ توبہ کا پہلا رکن یہی ہے کہ جو گناہ ہوچکا اس پر اپنے دل میں شرمندہ اور نادم ہو۔

﴿۲﴾ اور دوسرا رکن یہ ہے کہ فی الحال اس گناہ کو چھوڑ بھی

دے، یعنی جس وقت توبہ کر رہا ہے اس وقت اس گناہ کے قریب بھی نہ ہو، یہ نہ ہو کہ گناہ بھی کر رہا ہے اور استغفر اللّٰہ استغفر اللّٰہ کی تسبیح بھی پڑھ رہا ہے، تو ایسی توبہ و استغفار پر تو شیطان کو بھی ہنسی آتی ہے۔

سبحہ برکف توبہ برلب دل پُر از ذوق گناہ

معصیت را خندہ می آید براستغفارما

ہاتھ میں تسبیح زبان پر توبہ اور دل ذوق گناہ سے پُر ہے، تو ایسی توبہ پر گناہ بھی ہنستا ہے کہ یہ کیسا مذاق کر رہا ہے، یہ کیسی توبہ کر رہا ہے، گناہ کرنے کا داعیہ اور جذبہ دل میں بدستور باقی ہے، چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں، اوپر سے استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھے چلے جا رہا ہے، تو ایسی توبہ و استغفار سے کیا ہوتا ہے، ایسی توبہ سے اس کے مقصد میں تو کوئی خلل نہیں آتا ہے، لہٰذا توبہ کا دوسرا رکن یہی ہے کہ فی الحال اس گناہ کو چھوڑے اور ترک کرے۔

توبہ کا تیسرا رکن

اور تیسرا رکن یہ ہے کہ اپنے دل میں آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا عہد بھی کرے، یعنی اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرے کہ یا اللہ! آئندہ اب میں یہ گناہ نہیں کروں گا۔ چاہے اس کا دل یہ کہہ رہا ہو کہ یہ گناہ ایسا ہے کہ میں چھوڑ نہیں سکتا، میں بہت کمزور ہوں اور میں اس کا ایسا عادی ہوں کہ مجھ سے چھوٹے گا نہیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں، مگر اس وقت چھوڑ کر آئندہ نہ

کرنے کا دل میں ارادہ کرلیں، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں، وہی بچنے کی توفیق دینے والے ہیں، وہی اعمال صالحہ کی توفیق دینے والے ہیں، تو ان سے یہ عرض کرے کہ یااللہ! یہ گناہ ایسا ہے کہ عرض تو کر رہا ہوں کہ آئندہ نہیں کروں گا لیکن آپ میری ہر ہر چیز سے واقف ہیں، میں تو بڑا ہی نالائق ہوں اور میں تو اس کا عادی بن چکا ہوں، یا اللہ! مجھے تو نہیں لگتا کہ میں بچ سکوں گا جب تک آپ کی مدد شامل حال نہ ہو، لہٰذا میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری مدد فرمائیں اور ایسی مدد فرمائیں کہ یہ گناہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ جائے۔ بس جس وقت آپ یہ دعا کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے شامل حال ہو گی، پھر انشاء اللہ تعالیٰ دیکھئے گا کہ چند دن بعد ہی اس گناہ سے بچنا کیسے آسان ہو جاتا ہے۔

جب یہ تین باتیں کوئی آدمی کسی گناہ کے سلسلے میں اپنے اندر جمع کرلیتا ہے، تو سمجھ لو کہ اس کی توبہ سچی ہو گئی اور سچی توبہ ہونے کے بعد بڑے سے بڑا گناہ چاہے وہ کفر و شرک ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، کفر و شرک سے بڑھ کر تو دنیا میں کوئی گناہ نہیں ہے، فسق و فجور سب اس سے نیچے ہیں، لہٰذا جتنے بھی گناہ ہو چکے یا خدانخواستہ ہو رہے ہیں تو ان سے سچی توبہ کرلینے کی ضرورت ہے، رمضان شریف آنے سے پہلے پہلے توبہ کر کے ان گناہوں سے بچنا شروع کر دیں۔

ٹی وی دیکھنے کا گناہ

ان گناہوں میں سے چند ایک گناہ بہت زیادہ اہم ہیں، ان کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے، ان گناہوں میں سے سرفہرست گناہ وہ ہے جو آج کل بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے اور ہمارے اوپر چھایا ہوا ہے، وہ ہے ٹی وی دیکھنے کا گناہ، یہ گناہ بڑا ہی سنگین اور بڑا سخت گناہ ہے، اور اس کے دیکھنے سے ایک نہیں بلکہ بیسیوں گناہوں کے اندر آدمی مبتلا ہو جاتا ہے، اور یہ گناہ اتنا عام ہے کہ گھر گھر یہ گناہ ہو رہا ہے، اب تو جھونپڑیوں کے اندر بھی ڈش انٹینا آپ کو لگے نظر آئیں گے، شہر کے اندر مکانات کی چھتوں پر ایک نہیں بلکہ دس دس انٹینا لگے ہوئے ہیں، اور اگر شہر کے وسط سے نکل کر کناروں پر چلے جاؤ تو معلوم ہوگا کہ جھونپڑیوں کے اندر بھی جہاں آرام و راحت کا سامان نہیں ہے مگر ٹی وی کی لعنت وہاں موجود ہے، یہ گناہ ہمارے گھروں کے اندر اتنا عام ہو گیا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ مسلمانوں نے اسے گناہ سمجھنا ہی چھوڑ دیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھیں۔

ٹی وی گھر پر رکھنا ہی ناجائز ہے

لیکن میرے عزیزوں اور بزرگوں یاد رکھو! اس کے گناہ ہونے پر ہمارے تمام علماء کرام کا اتفاق ہے، جو علماء حق کہلاتے ہیں، جن کے پیچھے ہم چلتے ہیں، جن کی عمریں قرآن و حدیث کے اندر غور و فکر کرنے اور ان کی

نشر و اشاعت میں گزریں، جن پر امت کا اعتماد اور بھروسہ ہے، ان کا فتویٰ یہی ہے کہ ٹی وی گھر پر رکھنا ہی ناجائز ہے اور ہمارے دارالعلوم کراچی کا بھی یہی فتویٰ ہے، دیکھنا تو ہے ہی گناہ، اس کا گھر میں رکھنا بھی ناجائز ہے، اور حال یہ ہے کہ مسلمان رمضان شریف میں روزہ رکھ کر تراویح پڑھ کر جب فارغ ہوتے ہیں تو جاکر ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں، یعنی دن بھر روزہ رکھا، او روزہ کی برکت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے روزہ دار کو گناہوں سے پاک و صاف فرمادیتے ہیں اور تراویح کی فضیلت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام صغیرہ گناہ معاف فرمادیتے ہیں، تو روزہ رکھ کر اور تراویح پڑھ کر پھر اس لعنت کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ جاتے ہیں، اور پھر اپنی آنکھوں کو گناہوں سے آلودہ، اپنے کانوں کو گناہوں سے آلودہ، اپنے دماغ کو گناہوں سے آلودہ اور اپنے دل کو گناہوں سے آلودہ کرنے میں رات گزار دیتے ہیں۔ کم از کم رمضان شریف کے مہینہ میں اس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہ دیں، خود بھی بچیں اور اپنے گھر والوں کو بھی بچائیں، بچوں کو بھی بچائیں، بچیوں کو بھی بچائیں، یہ گناہ تو ایسا ہے کہ ہر دم اس سے بچنے کی ضرورت ہے، رمضان شریف کی بھی خصوصیت نہیں، لیکن رمضان شریف کا مہینہ جس میں رات دن اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں اور ان کی طرف سے مغفرت کے اعلانات ہوتے رہتے ہیں، رمضان میں ہر رات مغرب سے لے کر صبح صادق تک فرشتے یہ اعلان کرتے ہیں کہ کوئی توبہ کرنے والا ہو تو اس کی توبہ قبول کرلیں، کوئی

مغفرت چاہنے والا ہو تو اس کی مغفرت کر دیں، کوئی عافیت مانگنے والا ہو تو اس کو عافیت دے دیں، کوئی فلاں چیز چاہنے والا ہو تو فلاں چیز دے دیں، اس طرح کے مختلف اعلانات ہوتے رہتے ہیں۔

وقت افطار کی اہمیت

اور اللہ تعالیٰ افطار کے وقت روزانہ ایسے دس لاکھ آدمیوں کو دوزخ سے آزاد فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہو چکے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ روزانہ رمضان کی ہر رات میں چھ لاکھ آدمیوں کو دوزخ سے بری فرماتے ہیں۔

اور جب رمضان شریف کا آخری افطار ہوتا ہے تو اس افطار کے وقت روزانہ اللہ تعالیٰ پورے مہینہ میں جتنے لوگوں کو دوزخ سے آزاد فرماتے ہیں، اس تعداد کے برابر آخری افطار میں آزاد فرماتے ہیں جو تقریباً تین کروڑ ہوں گے، اور دونوں مل کر چھ کروڑ ہو گئے۔

اور اللہ تعالیٰ روزانہ ہر رات میں چھ لاکھ لوگوں کو دوزخ سے بری فرماتے ہیں، آخری شب میں پورے مہینہ کی تعداد کے برابر اللہ تعالیٰ دوزخ سے آزاد فرمائیں گے، اس لئے افطاری کا وقت کتنا قیمتی ہو گیا، اس وقت آدمی کو چاہئے کہ بس ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے، تلاوت میں ذکر میں اور آخر میں دعا کے اندر مشغول رہے، قسمت میں جو افطاری لکھی ہے وہ تو مل جائے گی، اس وقت زیادہ افطاری کو بنانے سجانے اور جھانکنے کی طرف متوجہ نہیں رہنا چاہئے۔

عصر کے بعد کی اہمیت

عصر کے بعد کا وقت تو انتہائی خاص الخاص وقت ہے، یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کا اور تلاوت میں لگنے کا ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ خواتین کا افطاری کی تیاری میں سارا وقت گزر جاتا ہے اور مردوں کا دستر خوانوں پر بیٹھ کر افطاری کو دیکھنے میں گزر جاتا ہے، کوئی گلاب جامن دیکھ رہا ہے، کوئی امرتی دیکھ رہا ہے، کوئی سموسہ دیکھ رہا ہے، کوئی کچھ دیکھ رہا ہے، اور اس انتظار میں ہیں کہ جلدی سے سائرن بولے تو ہم شروع کریں۔ بھائی! جب سائرن بولے گا تو اس وقت شروع ہو جانا، لیکن اس وقت تک تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو، یہ تو دس لاکھ آدمی دوزخ سے بری ہونے کا وقت ہے، اپنا نام بھی ان میں رقم کروالو، اور جو روزی سامنے رکھی ہے، وہ قسمت کی ہے کہاں جائے گی، روزی تو آدمی کو اس طرح تلاش کرتی ہے جس طرح موت آدمی کو تلاش کرتی ہے، تو ہماری قسمت کے جو گلاب جامن ہیں وہ کہیں جائیں گے کیا؟ دیکھو یا مت دیکھو، بیٹھو یا مت بیٹھو، آپ کی قسمت کا کوئی دوسرا کھا نہیں سکتا، یہ وقت بڑا ہی قیمتی ہوتا ہے۔

سحری کا وقت

اور ایک سحری کا وقت ہے، سحری کا وقت بھی سحری پکانے میں اور کھانے کھلانے میں گزر جاتا ہے، حالانکہ یہ وقت خاص اللہ تعالیٰ کی طرف

متوجہ رہنے کا ہے، لہٰذا دستر خوان پر آنے کا وقت بالکل آخر میں رکھیں جب پندرہ بیس منٹ رہ جائیں، اس سے پہلے اپنے مصلّے پر اپنے کمرہ میں توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ میں گزاریں اور مغفرت کی دعا کرنے میں گزاریں، اور جب پندرہ بیس منٹ یا آدھا گھنٹہ رہ جائے تو اب آجائیں اور آکر دستر خوان پر بیٹھ جائیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قسمت میں لکھا ہے وہ کھالیں۔

رمضان کے یہ رات دن تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے برسنے کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرتوں کے عطاء کرنے کے لمحات ہیں، ان لمحات میں اللہ بچائے ٹی وی دیکھنا، وی سی آر پر فلمیں دیکھنا، ڈرامے دیکھنا، اور جانوروں کی تصاویر دیکھنا، نامحرم عورتوں کو دیکھنا، عورتوں کا نامحرم مردوں کو دیکھنا جس کے نتیجے میں پھر انسان کے جنسی تقاضے بیدار ہو ہی جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے یہ مہینہ کوئی ایسے کام کرنے کا ہے؟ یاد رکھئے! گیارہ مہینے بھی اس کام کے لئے نہیں ہیں لیکن رمضان شریف کا مہینہ بہت ہی زیادہ اس سے بچنے کا ہے، اس لئے اس مہینہ میں اس گناہ سے بہت زیادہ بچیں اور ابھی سے بچیں، جو ابھی سے بچے گا وہ رمضان شریف میں بھی بچے گا، اور جو ابھی سے نہ بچے گا وہ رمضان شریف میں کیسے بچے گا؟

خواتین کا بے پردہ رہنا

اور دوسرا گناہ خواتین کا بے پردہ رہنا ہے، یہ گناہ بھی ایسا ہے کہ پوری دنیا میں پھیل چکا ہے، اور شاید ہی کوئی خاتون شرعی پردہ کرتی ہو، ورنہ

اللہ بچائے یہ شرعی پردہ عنقاء بن گیا ہے۔ لہٰذا خواتین پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے شرعی پردہ کا اہتمام کریں اور شرعی پردہ کی تفصیل پر میرا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے "چھ گناہ گار عورتیں" اس میں اس کی حدود اور تفصیل بقدر ضرورت آگئی ہے، اگر کسی کو پڑھنا ہو وہ اس کو پڑھ لے۔

شرعی پردہ جس طرح باہر کے نامحرم مردوں سے ضروری ہے، اسی طرح گھر کے نامحرم مردوں سے بھی ضروری ہے، جو دین دار خواتین کہلاتی ہیں ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہ باہر کے نامحرم مردوں سے تو پردہ کرلیتی ہیں، لیکن گھر میں جو دیور جیٹھ وغیرہ رہتے ہیں ان سے شرعی پردہ نہیں کرتیں، رواجی پردہ تو کرلیتی ہیں، شرعی پردہ نہیں کرتیں، اس رسالہ میں اس کی حدود بھی لکھ دی گئی ہیں، وہاں دیکھ لیں اور دیکھ کر اس کے مطابق عمل کریں۔

دین پر عمل آسان ہے

شرعی پردہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں، بشرطیکہ ہم اس کو مشکل نہ سمجھیں، اور اگر ہم نے مشکل سمجھ لیا تو کوئی آسان کو مشکل سمجھ لے تو پھر آسان بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

حضرت مجذوب صاحبؒ کے اشعار ہیں ؎

نہ لو نام الفت جو خودداریاں ہیں
یہاں سرفروشوں کی سرداریاں ہیں

جو آسان سمجھو تو آسانیاں ہیں
جو دشوار سمجھو تو دشواریاں ہیں
امیری غریبی میں یکساں رہے ہم
نہ جب ذلتیں تھیں نہ اب خواریاں ہیں

تو دین تو بالکل آسان ہے، اس کا ہر حکم آسان ہے، ٹی وی سے بچنا بھی آسان ہے، کیا بچنے والے دنیا میں نہیں رہتے؟ شرعی پردہ کرنے والی خواتین بھی تو دنیا میں رہتی ہی ہیں، دنیا میں ان کے یہاں بھی شادی بیاہ ہوتے ہیں، ساری دنیا کے کام ان کے یہاں بھی ہوتے ہیں، مگر انہوں نے اسے آسان سمجھا تو آسانی سے کرلیا۔

تو خواتین شرعی پردہ کا اہتمام کریں اور جس وقت وہ تہیہ کرلیں گی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں گی اور شرعی پردہ کا اہتمام کرلیں گی تو انشاء اللہ آسان ہو جائے گا۔

گھر کے جو مرد حضرات ہیں، ان کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے شرعی پردہ میں اہتمام اور پورا پورا تعاون کریں۔ اور عورتیں بھی پختہ تہیہ اور ارادہ کرلیں کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن اب ہم غیر شرعی پردہ سے مکمل طور پر اپنے آپ کو بچائیں گی، بے پردگی کے گناہ سے بچیں گی، ورنہ ایک طرف بے پردگی کا گناہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف تہجد ہو رہی ہے، تو کیا فائدہ ہوگا۔

ڈاڑھی منڈوانے کا گناہ

تیسرا گناہ ڈاڑھی منڈوانے کا ہے، یہ گناہ بڑا سنگین گناہ ہے، یہ گناہ بھی بڑا ہی سخت اور ہمہ وقتی گناہ ہے، لہٰذا رمضان شریف کے مہینہ میں تو کم از کم اس گناہ سے توبہ کر ہی لیں، اور سچی توبہ کر کے تہیّہ کرلیں کہ پورا رمضان ہم اپنی ڈاڑھی نہ منڈوائیں گے اور نہ کترواکر ایک مٹھی سے کم کریں گے، کیونکہ کم از کم ایک مٹھی بھر ڈاڑھی رکھنا ہر مسلمان عاقل بالغ مرد کے اوپر واجب ہے، اور ایک مٹھی سے کم کتروانا یا منڈوانا یہ ناجائز اور حرام ہے، اس گناہ سے بارہ مہینے اور تازندگی بچنے کی ضرورت ہے۔

لیکن رمضان شریف کا مہینہ اس لئے نہیں ہے کہ اعلانیہ آدمی اپنے چہرہ کو اللہ تعالیٰ کے باغیوں کے مشابہ بنائے، یہ تو بڑی خطرناک بات ہے، اس لئے اس گناہ سے بھی بہت زیادہ اہتمام کے ساتھ بچنا چاہئے۔

شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنے کا گناہ

اور چوتھا گناہ جو کہ آج کل بہت ہی زیادہ عام ہے اور وہ بھی مردوں سے تعلق رکھتا ہے، وہ یہ ہے کہ آج کل یہ عام فیشن بن گیا ہے کہ مرد حضرات اپنی شلوار عام طور پر ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں، یہ بھی گناہ کبیرہ ہے اور ناجائز ہے جس سے بطور خاص بچنے کی ضرورت ہے، یعنی مردوں کو چاہئے کہ وہ اپنی شلوار ہمیشہ ٹخنوں سے اوپر رکھیں، تہبند باندھیں یا پاجامہ

پہنیں یا شلوار پہنیں تو اس کو ٹخنے سے اوپر رکھیں۔ بعض مرد یہ سمجھتے ہیں کہ شاید نماز کے اندر اس کا حکم ہے، نماز کے باہر مرضی ہے چاہے اوپر کریں یا نیچے، یہ غلط ہے، نماز کے اندر بھی یہی حکم ہے۔ لہٰذا اگر کسی کی نماز کے اندر شلوار ٹخنوں سے نیچے ہوگی تو اس کی نماز مقبول نہیں ہوگی۔ اور نماز کے باہر بھی ٹخنے کھلے رکھنے کا حکم ہے، گھر کے اندر بھی، آفس کے اندر بھی، دکان کے اندر بھی، بازار کے اندر بھی، ہر جگہ مردوں کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ اپنی شلوا [illegible] سے اوپر رکھا کریں، یہ گناہ بھی بہت زیادہ عام ہو چکا ہے، اس لئے اس سے بھی بچنا چاہئے۔

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کا گناہ

اور ایک گناہ جو مسجد میں خاص طور پر ہوتا ہے اور پھر وہ رمضان شریف میں بھی ہوتا رہتا ہے، وہ مسجد میں گناہ کی اور دنیا کی باتیں کرنا ہے، مسجد دنیا کی باتیں کرنے کی جگہ نہیں ہے، اور گناہ کی باتیں کرنے کی جگہ نہ مسجد ہے نہ مسجد کے باہر، لیکن مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا بھی گناہ اور ناجائز ہے اور اس کا بھی بہت بڑا عذاب اور بڑا وبال ہے، اس لئے جب مسجد میں آئیں تو گناہ اور دنیا کی باتوں سے اپنے منہ کو تالا لگا کر آئیں، یہاں آکر منہ کھولیں تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں کھولیں، ذکر میں کھولیں، تلاوت میں کھولیں، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے میں کھولیں، دنیا کی باتیں کرنے سے اور گناہ کی باتیں کرنے سے اپنی زبان کو بند رکھیں، مسجد میں خاص اس بات کا خیال اور اہتمام کریں۔

”گناہ بے لذت“ کا مطالعہ کریں

ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے گناہ ہیں، اس کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے ”گناہ بے لذت“ جو ہمارے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترتیب دیا ہوا ہے، اس میں حضرت نے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی فہرست دے دی ہے، اب اس فہرست کو پڑھ کر ہم میں سے ہر آدمی آسانی سے اپنا جائزہ لے سکتا ہے کہ میرے اندر کون کون سے گناہ ایسے ہیں جو میں کرتا ہوں اور کون کون سے گناہ ایسے ہیں کہ جن سے اللہ پاک نے مجھے بچایا ہوا ہے۔

تو جو گناہ ہو رہے ہیں چاہے کبیرہ ہوں یا صغیرہ ان پر صحیح کا نشان لگا دیں اور صحیح کا نشان لگا کر اب ان سے بچنا شروع کر دیں، اگر بچنا مشکل ہو تو پھر اللہ والوں سے مشورہ کریں اور ان سے رجوع کریں کہ مجھ سے یہ گناہ ہوتا ہے، میں اس سے بچنا چاہتا ہوں اور یہ میں نے کوشش کی ہے اس سے بچنے کی مگر میں ناکام ہوں، اس سلسلہ میں آپ میری مدد فرمائیے۔ تو وہ آپ کی رہنمائی کریں گے، آپ کو تعلیم دیں گے اور ایسا طریقہ اور علاج بتلائیں گے کہ اس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ وہ گناہ چھوڑنا آسان ہو جائے گا۔

لیکن رمضان شریف کی تیاری میں یہ داخل ہے کہ رمضان شریف سے پہلے پہلے ہم اپنے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے بچالیں، جب بچالیں

گے تو پھر جب انشاء اللہ تعالیٰ رمضان شریف کا مہینہ آئے گا اور رمضان شریف کی پہلی رات آئے گی تو اس پہلی رات ہی کو انشاء اللہ تعالیٰ جو پہلا جھونکا اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا آئے گا وہ انشاء اللہ تعالیٰ ہماری بخشش کا سامان کرتا چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور اپنے فضل سے ہم سب کو رمضان شریف سے پہلے رمضان شریف کی دل و جان سے تیاری کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین

ہم تراویح کہاں پڑھیں؟

آخر میں ایک بات اور عرض کرنی تھی کہ رمضان شریف شروع ہونے سے پہلے پہلے ہم اس بات کو سوچ لیں کہ ہم تراویح کہاں پڑھیں؟

اس میں ایک تو عام ذہن ہے وہ تو یہ ہے کہ ایسی مسجد میں جاؤ جہاں بیس منٹ میں بیس تراویح ہو جائیں، کوئی ایسا حافظ ملے کہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن والناس تک کسی طرح پہنچادے، بس یعلمون تعلمون کے سوا کچھ سمجھ میں نہ آئے، تین روز میں یا پانچ روز میں دس روز میں کسی طریقے سے وہ ہمیں پار لگادے، تاکہ ہماری جلدی چھٹی ہو جائے العیاذ باللہ۔

بعض لوگ وہ ہیں جو ایسی مسجد کی تلاش میں رہتے ہیں کہ جہاں اٹھک بیٹھک ہوتی رہے اور اٹھک بیٹھک ہو کر جلدی سے چھٹی مل جائے، یہ تو رمضان شریف کا خون کرنا ہے اور تراویح کا خون کرنا ہے، تراویح تو اس لئے نہیں ہے کہ اس کو اس طریقہ سے بیکار ڈال دیں۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر سال فرماتے تھے، الحمدللہ حضرت کے وہ بیانات "رمضان المبارک کے انوار و برکات" کے نام سے چھپے ہوئے ہیں، وہ پڑھ لینے چاہئیں۔

وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ مبارک میں اپنے بندوں کو اپنا مقرب بنانے کے لئے اضافی چالیس سجدے عطا فرمائے ہیں، جن کے ذریعہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے نہایت قریب سے قریب ہو جاتا ہے، ایک ہی سجدہ میں بندہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے، تو چالیس سجدے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔

ایک سجدہ کی فضیلت

اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک سجدہ پر اللہ تعالیٰ جنّت میں ایک ایسا درخت لگاتے ہیں کہ ایک گھوڑ سوار اس کے سایہ کو پانچ سو سال میں جاکر طے کرے گا، اور ایک سجدہ کے بدلہ میں ڈیڑھ ہزار نیکیاں لکھ دیتے ہیں اور اس سجدہ کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت میں ایک ایسا محل بنائیں گے جس کے ساٹھ ہزار دروازے ہوں گے، اور ہر دروازہ میں سرخ یاقوت سے مزیّن ایک محل ہوگا۔ کسی بھی رات میں کوئی بھی سجدہ کرلے اس کا یہ ثواب ہے۔

پہلے دن کے روزے کی فضیلت

اور روزانہ صبح سے شام تک روزہ دار کے لئے ستر ہزار فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار فرماتے ہیں، اور جب کوئی مسلمان پہلے دن کا روزہ رکھتا ہے تو اس کے پچھلے سارے گناہ صغیرہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ ایسا زبردست ماہ مبارک اور ایسی عظیم الشان نماز تراویح اور ہم اس کے ساتھ یہ گناہوں کا معاملہ کریں تو پھر ہم سے زیادہ محروم کون ہوگا؟

اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ ہم ایسی مسجد تلاش کریں کہ جہاں بڑے آرام آرام سے اور بڑے اطمینان سے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہو، اور آرام و سکون سے نماز تراویح ادا کی جاتی ہو۔ پہلے سے تلاش کرلیں کہ کس مسجد میں ایسا اچھا انتظام ہوگا، وہاں کے حافظ صاحب بہت اچھے اور پکے اور قاری ہوں گے اور جو آرام آرام سے تراویح پڑھائیں گے، اس کا انتخاب کرلیں اور وہاں جاکر اپنی تراویح ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

خوشبو لگانے کی فضیلت

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

خوشبو لگانے کی فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط لَقَدْ كَانَ

لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ○ صدق اللّٰه العظیم

(سورۃ الاحزاب، آیت ۲۱)

ایک عجیب واقعہ

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! اس مرتبہ رمضان المبارک میں حق تعالیٰ شانہ نے ایک خصوصی انعام فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔ اس حاضری کے موقع پر وہاں ایک عجیب و غریب واقعہ ایک قابل اعتماد شخص نے سنایا، وہ یہ کہ سعودی حکومت نے مسجد نبوی کے قدیم حصہ میں جو ترکی عمارت پر مشتمل ہے، زمین دوز ائرکنڈیشنڈ نصب کرنے کا ارادہ کیا اور اس کا حکم دیدیا، جو جدید مسجد نبوی ہے اس میں یہ سسٹم پہلے ہی زمین دوز ہے، اس میں جو پلر کھڑے ہوئے ہیں، ان کے چاروں اطراف سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آتے ہیں، اسی کے مطابق انہوں نے یہ چاہا کہ جو ترکی عمارت ہے، اس میں بھی اسی طرح ائرکنڈیشنڈ نصب کیا جائے۔

اس کے بعد جو لوگ اس کام کے لئے مقرر تھے، انہوں نے ایک جگہ پر پردہ ڈال کر زمین کی کھدائی شروع کی، جہاں انہوں نے کھدائی کی تو یکایک وہاں سے عجیب و غریب خوشبو نکلنی شروع ہوئی اور اتنی زیادہ خوشبو وہاں سے پھیلی کہ مسجد نبوی ﷺ اس خوشبو سے مہک اٹھی، اس غیر معمولی خوشبو کو سونگھنے کے بعد انہوں نے اپنے انجینئر سے رجوع کیا اور اس کو اس صورتحال سے باخبر

کیا، اس نے مسجد نبوی کے امام صاحب کو اس صورتحال سے آگاہ کیا اور انہوں نے امام کعبہ کو مطلع کیا کہ یہاں سے غیر معمولی خوشبو مہک رہی ہے اور نکل رہی ہے تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟ امام کعبہ نے شاہ فہد کو اطلاع دی۔

واقعہ سنانے والے نے بتایا کہ جب شاہ فہد کو اطلاع ملی تو وہ خود آئے اور انہوں نے بھی آ کر اس خوشبو کو محسوس کیا اور کہا کہ یہ تو کوئی راز کی بات ہے، اس کو راز ہی میں رہنا چاہئے، لہٰذا اس کو ایسے ہی رہنے دیا جائے، اور اس کو یہیں بند کر دیا جائے، اور ائر کنڈیشنڈ کی لائنیں دیواروں پر اور چھت کی طرف نصب کر دی جائیں، چنانچہ اب وہیں پر نصب ہیں۔ یہ واقعہ عجیب و غریب ہے۔

اس واقعہ کی حقیقت

اس کی کیا حقیقت ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں قریب ہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں، آپ ﷺ تو اپنی ذات اقدس کے اعتبار سے ''معطر'' تھے، تو کیا بعید ہے کہ آپ کے زمین کے اندر آرام فرمانے کی وجہ سے اندر ہی اندر خوشبو مہک رہی ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ اور اس کی حقیقت ہو، اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے جسم اطہر کی خوشبو کی کیفیت

لیکن احادیث میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو شان بیان کی گئی ہے، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں بغیر خوشبو لگائے بھی ایسی عجیب وغریب خوشبو ہوتی تھی اور آپ کا جسم ایسا مہکتا تھا کہ مشک وعنبر لگانے سے وہ مہک نہیں آسکتی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے آپ کی اس شان کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت تھے، آپ کا رنگ مبارک گورا اور کھلتا ہوا تھا، اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب چلتے تو ذرا سا آگے کو مائل ہو کر چلتے تھے، یعنی آپ کی چال میں بھی تواضع ہوتی تھی، جیسے پہاڑوں سے کوئی نیچے اترے تو ذرا سا آگے جھکا ہوا ہوتا ہے اور پاؤں بھی مضبوطی سے رکھتا ہے، قوت سے اٹھاتا بھی ہے اور رفتار میں قدرے تیزی بھی ہوتی ہے۔ تقریباً یہ تمام صفات سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام رفتار میں پائی جاتی تھیں، اور یہی ہمیں بھی کوشش کرنی چاہئے کہ ذرا سا آگے کو جھکتا ہوا چلیں۔ اکڑ کر اور سینہ تان کر چلنا یہ مسلمانوں کی شان نہیں ہے، یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے۔ اسی طرح چال میں ذرا سی تیزی بھی ہونی چاہئے، اور تواضع کے ساتھ چلے، چلنے میں عاجزی پائی جائے۔

اور فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹخنے بالکل موتی کی طرح

گول معلوم ہوتے تھے۔ اور فرمایا کہ آپ کے دست مبارک کی ہتھیلی تو ایسی ملائم، گداز اور ایسی نرم و نازک تھی کہ آج تک میں نے ایسا ملائم، ایسا نرم اور گداز ریشم نہ دیکھا نہ چھوا۔ اور بغیر خوشبو لگائے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے جو خوشبو مہکا کرتی تھی، ایسی خوشبو نہ کسی مشک سے آئی اور نہ کسی عنبر سے۔ ''صلی اللہ علیہ وسلم''

حضور اکرم ﷺ کے پسینہ مبارک کی خوشبو

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ ہیں، اور رضاعی خالہ ایسی ہی حرام ہوتی ہے جیسے سگی خالہ حرام ہوتی ہے، اور جیسے سگی خالہ سے کوئی پردہ نہیں ہوتا، ایسے ہی رضاعی خالہ سے کوئی پردہ نہیں ہوتا، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پر آیا کرتے تھے اور ان کے گھر میں آرام بھی فرمایا کرتے تھے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لاتے تو حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے آرام کرنے کے لئے چمڑے کا ایک فرش بچھا دیا کرتی تھیں، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہوتے اور سو جایا کرتے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ بہت آیا کرتا تھا، خاص طور پر نیند کی حالت میں، تو جب آپ نیند کی حالت میں ہوتے تو حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کا وہ پسینہ تنکے کے ذریعہ اٹھا اٹھا کر ایک شیشی میں جمع کر لیا

کرتی تھیں اور پھر اس پسینے کو اپنی دوسری خوشبوؤں میں ملا دیا کرتی تھیں، آپ کا پسینہ ملانے کے بعد وہ خوشبو ساری خوشبوؤں سے بڑھ جاتی تھی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

وہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے اور میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے موتی تنکے کے ذریعہ ایک شیشی میں جمع کر رہی تھی کہ اسی دوران جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوگئے اور آپ نے فرمایا کہ اے ام سلیم! آپ یہ کیا کر رہی ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کا پسینہ جمع کر رہی ہوں، دنیا میں جتنی خوشبوئیں ہیں، ان سب سے اعلیٰ درجہ کی خوشبو یہ آپ کا پسینہ مبارک ہے، اور پھر میں اس کو دوسری خوشبو کے ساتھ ملا دیتی ہوں تو وہ اطیب الطیب ہو جاتی ہے، یعنی ساری خوشبوؤں سے بڑھ کر خوشبو بن جاتی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ شان تھی سرکار دو جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک کی خوشبو

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی شان تھی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے مصافحہ کر لیتے تو اس دن وہ آدمی دوسروں سے ممتاز ہو جاتا تھا، الگ پہچان میں آ جاتا کہ آج اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے، اس لئے کہ اس کے ہاتھ سے ایسی خوشبو آتی تھی جو اوروں کے ہاتھوں سے

نہیں آتی تھی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور اس کی خاص وجہ یہی تھی کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے خوشبو مہکتی تھی، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے بھی ایسی خوشبو مہکتی تھی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں زندگی کی سب سے پہلی نماز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی سے باہر نکلا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا کہ آپ کے سامنے کچھ بچے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے ان بچوں کے سروں پر اپنا دست مبارک پھیرا اور پیار کیا اور پھر میرے بھی دونوں رخساروں پر دست مبارک پھیرا، یہ میری سعادت تھی کہ میرے دونوں رخساروں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک پھیرا۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک پھیرا، اس وقت میں نے دو چیزیں محسوس کیں: ایک تو میں نے دست مبارک کی ٹھنڈک محسوس کی، اور دوسری مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے ایسی خوشبو محسوس ہوئی جیسے خوشبو بیچنے والا عطّار اپنی کپّی کا منہ کھولتا ہے تو اس میں سے خوشبو پھیلتی ہے اور مہکتی ہے۔

یہ آپ کے دست مبارک کی کیفیت تھی، اس لئے جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کر لیتا تو اس کی ہتھیلی میں بھی خوشبو سما جاتی تھی۔

حضور اکرم ﷺ کا بچوں کو سلام کرنا

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی سنت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں تشریف لے چلتے اور کہیں بچے مل جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کو سلام فرماتے۔ آج تقریباً یہ سنت ختم ہوگئی ہے، خال خال اور کہیں کہیں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو بچوں کو سلام کرتے ہوں، ورنہ بچوں کو سلام کرنا تو سکھاتے ہیں، لیکن یہ نہیں کہ جب بچوں اور بڑوں کا آمنا سامنا ہو تو بڑے ہی سلام کرلیں، بلکہ بڑے یہ چاہتے ہیں کہ بچے ہی ہمیں سلام کریں اور ہم بچوں کو سلام نہ کریں، اور بچوں کو سلام کرتے ہوئے اپنے اندر حجاب محسوس کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی چھوٹوں پر شفقت

جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع کا جو حق ہوتا تھا، اس کو ادا فرماتے تھے، تو جب بچوں سے ملاقات ہو تو بچوں کا یہ حق ہے کہ ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں، شفقت میں یہ بھی داخل ہے کہ بڑے بچوں کو سلام کریں، موقع ہو تو ان کے سر پہ ہاتھ پھیریں اور ان سے شفقت کا برتاؤ کریں۔

بچوں کو یہ حکم ہے کہ وہ بڑوں کا اکرام کریں اور بڑوں کا احترام کریں، اور بڑوں کو یہ حکم ہے کہ وہ بچوں پر شفقت کریں۔ لہٰذا نیت کرلیں کہ آج سے

ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ جہاں راستے میں بچے ملیں گے ان کو سلام کریں گے، تا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنّت زندہ ہو۔ آپ سلام بھی فرماتے تھے اور موقع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ بھی پھیر دیا کرتے تھے جیسے اس واقعہ میں آپ نے دیکھ لیا۔

حضور اکرم ﷺ کی سنّت پر عمل کا عزم کرلیں

اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم تو بہت مصروف ہیں اور بہت مشغول ہیں، اس لئے اس مصروفیت میں ہمیں دھیان ہی نہیں رہتا۔ یاد رکھو! سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی مصروف نہیں ہوسکتا، ان کی مصروفیت کا خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے، ان سے بڑھ کر کون مصروف ہوسکتا ہے؟ کتنی بڑی اور بھاری ذمّہ داری ان کے اوپر تھی جس کو انہوں نے ادا فرمایا، لیکن ان مصروفیات اور ذمّہ داریوں کے باوجود ہر موقع پر اس کا حق بھی ادا فرما دیا۔ لہٰذا یہ تو محض ہمارا بہانہ ہے، اس بہانہ کو پس پشت ڈال کر اس سنّت پر عمل کرنے کا عزم کرلیں۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے سر پر دست مبارک پھیرنے کی برکت

دست مبارک شفقت سے پھیرنے کا ایک دوسرا واقعہ ابھی میرے ذہن میں آیا، وہ یہ کہ حضرت عطا روایت کرتے ہیں کہ میرے آقا حضرت سعید بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی بڑھاپے میں بالکل سفید ہوگئی تھی

لیکن سر کے بال بالکل کالے تھے، میں نے عرض کیا کہ حضور! یہ آپ کا سر سفید نہیں ہوا، داڑھی مبارک آپ کی سفید ہوگئی، عام طور پر سر پہلے سفید ہوتا ہے اور داڑھی بعد میں سفید ہوتی ہے لیکن آپ کا سر بالکل ہی کالا ہے جیسے جوان کا ہوتا ہے، داڑھی بالکل سفید ہے جیسے بوڑھے کی ہوتی ہے۔ میرے آقا نے جواب دیا کہ میرے سر کے بال ہمیشہ کالے ہی رہیں گے، کبھی سفید نہیں ہوں گے، میں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ جب میں بچہ تھا اور بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، ہمارے پاس سے سرکارِ دوجہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام کیا، میں بچوں میں زیادہ سمجھدار تھا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور پھر میرا نام پوچھا، میں نے اپنا نام اور اپنے والد کا نام بتایا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا "بارک اللّٰہ فیک" اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے۔ تو جس سر پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک لگا ہو وہ کیسے سفید ہوسکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ کالے ہی رہیں گے۔ یہ درحقیقت جناب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔

سلام کرنا تواضع کی علامت ہے

اس واقعہ میں دیکھئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو سلام کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس میں تواضع ہوگی وہ بچوں کو سلام کرے گا اور جس میں تکبر

ہوگا وہ یہ چاہے گا کہ دوسرے مجھے سلام کریں، میں کیوں سلام کروں؟ وہ بچوں سے بھی سلام کروانا ہی چاہے گا، بچوں کو سلام کرتے ہوئے اس کو اپنی طبیعت میں رکاوٹ محسوس ہوگی، اگر رکاوٹ محسوس ہو تو خطرہ کی نشانی ہے، اللہ بچائے!!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو بھی سلام فرمایا کرتے تھے، لہٰذا ہمیں بھی بچوں کو سلام کرنا چاہئے۔

حضور اکرم ﷺ کی خوشبو کی کیفیت

اسی طرح اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی گلی سے گزر جاتے تو اس گلی سے بھی خوشبو آیا کرتی تھی، اور اس خوشبو کی وجہ سے یہ پہچان لیا جاتا تھا کہ اس گلی سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ہیں۔

ایک صحابی کا عجیب وغریب واقعہ حدیث میں لکھا ہے: حضرت ام عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے شوہر عقبہ بن ارقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چار بیویاں تھیں، اور چاروں میں سے ہر بیوی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اعلیٰ سے اعلیٰ خوشبو استعمال کرتی تھی تاکہ وہ اپنی ساتھی (سوکن) سے خوشبو میں آگے بڑھ جائے، ہر وقت ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ کارفرما رہتا۔

ادھر ہمارے شوہر عقبہ کا یہ حال تھا کہ وہ خوشبو کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے

تھے، بس ایک تیل تھا وہ کبھی کبھی داڑھی میں لگالیا کرتے تھے، اس کے باوجود عقبہ کے جسم سے ایسی خوشبو آتی تھی کہ ہماری خوشبو اس کے آگے ماند پڑ جاتی۔ اور اگر کبھی حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے اندر تشریف لے جاتے تو لوگ آپؓ کی خوشبو سونگھ کر کہتے کہ عقبہؓ جیسی خوشبو تو ہم نے آج تک کسی میں نہیں سونگھی، یہ عجیب خوشبو لگاتے ہیں جو اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت ام عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ان سے عرض کیا کہ ہم تو ایک دوسرے کا مقابلہ کر کر کے ہار گئے، کوئی نہ جیت سکا، لیکن آپ کے جسم سے یہ خوشبو بغیر کوئی خوشبو لگائے ایسے کیسے بھڑکتی اور مہکتی ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

چنانچہ انہوں نے ایک عجیب قصہ سنایا، فرماتے کہ ایک مرتبہ میرے جسم میں ''پِتی'' اچھل گئی (اور آپ جانتے ہیں کہ اس سے پورے جسم میں سرخ داغ ہو جاتے ہیں اور لال لال نشان پڑ جاتے ہیں اور اس میں بڑی جلن اور سوزش ہوتی ہے) اور میں بڑا بے چین اور بے قرار ہوگیا اور اسی بے چینی میں سیدھا نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح روحانی طبیب تھے اسی طرح جسمانی طبیب بھی تھے۔ (''طبِّ نبوی'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھپی ہوئی ہے)

میں نے جا کر عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بڑی تکلیف ہو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا! تم اپنے سارے کپڑے اتارو

اور میرے سامنے بیٹھ جاؤ، میں نے اپنے سارے کپڑے اتار لئے، بس اپنے ستر کو ایک چادر سے چھپالیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پڑھ کر اپنے دست مبارک پر دم کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک میرے سارے جسم پر پھیر دیے، اس ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے بیماری کا بھی نام ونشان ختم ہوگیا اور اس کے بعد سے یہ خوشبو میرے جسم میں مہک گئی۔ اس دن سے لے کر آج تک میرے جسم میں یہ خوشبو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی وجہ سے ایسی پیوست ہوگئی ہے کہ اب مجھے کسی خوشبو لگانے کی ضرورت نہیں۔

حضور اکرم ﷺ خوشبو لگانا پسند فرماتے تھے

یہ تو وہ خوشبو تھی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے بغیر کسی خوشبو کے لگائے خود بخود مہکتی تھی، لیکن اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو دار چیز کو اور خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے اور استعمال فرماتے تھے، اور استعمال کرنے کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود کثرت سے خوشبو استعمال فرماتے تھے اور استعمال کرنے کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ اس میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ میرے امتی بھی میرے خوشبو استعمال کرنے کی اس سنت پر عمل کریں، اور انہیں بھی میری اس سنت پر عمل کرنے کا ثواب ملے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ریحان'' خوشبو بہت پسند تھی۔ ریحان خوشبو کے کئی معنی لکھے ہیں: ایک معنی ہیں عطر مرکب، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جو بھی خوشبو ہو وہ ریحانی خوشبو ہے، چنانچہ جو بھی خوشبو ہم استعمال کریں اور سنّت کی نیت سے لگائیں ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے خوشبو لگانے کی سنّت ادا ہو جائے گی۔

حضور اکرم ﷺ کی پسندیدہ خوشبو

زاد المعاد میں لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبوؤں میں سب سے زیادہ دو خوشبوئیں محبوب تھیں: ایک مشک اور ایک عود، اور دونوں خوشبوئیں آج کل مل بھی جاتی ہیں، کوئی نایاب نہیں ہیں، لہٰذا جو خوشبو بھی میسّر آ جائے، آدمی سنّت کی نیت سے لگالے، لیکن کبھی کبھی اگر میسّر ہو تو مشک لگالے یا عود لگالے۔

ہمارے اندر خوشبو کا استعمال بہت کم ہے، کچھ تو ہمارے یہاں خوشبوئیں ایسی ناقص ملتی ہیں کہ اِدھر لگاؤ اُدھر غائب، یعنی گھر سے باہر نکلنا بھی لگانے والے کو نصیب نہیں ہوتا، وہ اندر ہی اڑ کر ختم ہو جاتی ہے، باہر تو کیا خاک آئے گی؟ بعض بہت ہی گھٹیا قسم کی خوشبوئیں ہوتی ہیں، ذرا اعلیٰ قسم کی خوشبوئیں اگر لگائی جائیں تو وہ کچھ دیرپا ہوتی ہیں۔

مردوں کی خوشبوؤں کا معیار

لیکن ایک بات یاد رکھیں! مردوں اور عورتوں کی خوشبو کا معیار الگ الگ ہے جو احادیث میں بیان کیا گیا ہے، اس معیار کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے اور اسی کے مطابق مردوں اور عورتوں کو خوشبو کا اہتمام کرنا چاہئے۔

مردوں کے لئے خوشبو کا یہ معیار بتایا گیا ہے کہ وہ پھیلنے والی ہو، رنگ دار نہ ہو، یعنی اس کے لگانے سے کپڑوں پر رنگ نہ آئے، دھبہ نہ لگے، جیسا کہ گلاب کی خوشبو ہوتی ہے، سادہ رنگ کی ہوتی ہے، اس کو لگاؤ تو خوشبو ہی خوشبو آتی ہے مگر کوئی داغ دھبہ اس کا جسم پر یا کپڑوں پر نظر نہیں آتا، کیوڑے کی خوشبو ہے، سُنبل کی خوشبو ہے، اور اگر رنگ دار بھی ہو تو اس احتیاط سے مردوں کو لگانا چاہئے کہ کپڑوں پر اس رنگ کے نشانات نہ پڑیں، داغ دھبے نہ آنے پائیں، خوشبو آئے، داغ نہ آئے، اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

خوشبو لگاتے وقت سنّت کی نیت

اور جب خوشبو لگائیں تو اس میں سنّت کی نیت تو کرنی ہی چاہئے، لیکن اگر یہ نیت بھی کرلیں کہ میں اس لئے خوشبو لگا رہا ہوں تا کہ دوسروں کو بھی یہ خوشبو محسوس ہو اور انہیں بھی راحت ملے، تو ایسی نیت کرنے سے دوسروں کی راحت رسانی کا ثواب بھی مل جائے گا۔

خوشبو لگانے کا طریقہ اور اس کیلئے ایک خاص دعا

نیز جب خوشبو لگائیں تو پہلے دائیں جانب لگائیں اور پھر بائیں جانب لگائیں، یہ ہے خوشبو لگانے کا سنّت طریقہ۔

اور ایک دعا بھی ہے جو اگرچہ اس خاص موقع پر منقول نہیں ہے کہ جب خوشبو لگائیں تو وہ دعا مانگیں، لیکن وہ اس کے مناسب ہے، اس لئے آدمی بغیر سنّت سمجھے وہ دعا پڑھ لیا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اللّٰھم ارحنی رائحة الجنّة ولا ترحنی رائحة النّار۔

یا اللہ! مجھ کو جنّت کی خوشبو سونگھانا اور دوزخ کی بدبو سے بچانا۔

یہ دعا سلف صالحین سے ناک میں پانی دیتے وقت منقول ہے کہ جب وضو کریں اور ناک میں پانی ڈالیں تو یہ دعا کریں:

اللّٰھم ارحنی رائحة الجنّة ولا ترحنی رائحة النّار۔

اور خوشبو لگائیں تو اس وقت بھی یہ دعا پڑھنا مناسب ہے۔

ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع

چونکہ دنیا میں جتنی بھی نعمتیں ہیں، جنّت کی نعمتوں کی نقل ہیں اور جنّت کی نعمتیں یاد دلانے والی ہیں، اس لئے ہمیں ہمیشہ آخرت پیش نظر رکھنی چاہئے، اور جب یہاں کی کوئی نعمت استعمال کریں تو فوراً جنّت کی نعمت کا استحضار کریں

اور اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔

اور جب یہاں کوئی بدبو سونگھیں یا کوئی تکلیف پیش آئے تو یہ سوچیں کہ دنیا کی ان تمام تکلیفوں، ساری مصیبتوں، ساری پریشانیوں اور ساری بدبوؤں کا مرکز جہنم ہے العیاذ باللہ! لہٰذا اگر کوئی تکلیف، کوئی صدمہ، کوئی غم، کوئی پریشانی لاحق ہوتو فوراً اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ مانگیں، قبر کے عذاب سے پناہ مانگیں اور جہنم کے عذاب سے پناہ مانگیں۔

اور جب کوئی نعمت ملے، کوئی خوشی ملے تو ان تمام نعمتوں کا مرکز جنّت ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگیں، جنّت مانگیں، عافیت مانگیں، خاتمہ بالخیر کی دعا کریں۔ اور خوشبو سونگھیں تو یہ دعا کریں:

یا اللہ! جنّت کی خوشبوئیں بھی عطا فرما۔

جنّت کی خوشبو اور جہنم کی بدبو کی کیفیت

اور جنّت کی خوشبوؤں کی یہ کیفیت ہے کہ جنّت کے اندر جانے میں پانچ سو سال کی مسافت سے خوشبو آنا شروع ہو جائے گی، اور جہنم کی بدبو کا یہ حال ہے کہ اگر جہنم سے کوئی ایک لباس نکال کر دنیا میں لٹکا دیا جائے تو اس کی بدبو سے دنیا والے مر جائیں گے، اس کے اندر شدید بدبو ہوگی۔ العیاذ باللہ۔

عورتوں کی خوشبوؤں کا معیار

اور عورتوں کے لئے خوشبوؤں کا معیار یہ ہے کہ اس کے اندر رنگ

غالب ہو اور خوشبو زیادہ پھیلنے والی نہ ہو جیسے ''مہندی'' کہ مہندی اصل میں خوشبودار چیز ہے کہ اس کو ہاتھ میں لگالو، پیروں میں لگالو، مہندی کی خوشبو ہاتھ میں بس جاتی ہے، اس کے پھول میں خوشبو ہوتی ہے، اس کے پتوں میں بھی خوشبو ہوتی ہے، اس کے رنگ میں بھی خوشبو ہوتی ہے، لیکن اس میں رنگ غالب ہے، خوشبو بس ہتھیلی تک محدود ہے، ہتھیلی سونگھیں تو خوشبو آئے گی ویسے نہیں آئے گی۔ بالوں میں اگر آپ لگائیں تو بس بالوں کے قریب اگر آپ ناک لے جائیں تو اس میں سے مہندی کی خوشبو آئے گی ورنہ رنگ نظر آئے گا۔

یا جیسے زعفران ہے کہ زعفران کے اندر بھی رنگ غالب ہے، خوشبو اس کے اندر مغلوب ہے، لیکن زعفران کی خوشبو کتنی پیاری اور کتنی عمدہ ہوتی ہے۔

تو خواتین کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ ایسی خوشبو لگائیں جس میں رنگ زیادہ ہو، اور ایسی خوشبو لگائیں جس میں خوشبو کا مہکنا، بھڑکنا اور پھیلنا کم سے کم ہو، مردوں کے لئے جو خوشبو ہوتی ہے ایسی خوشبو استعمال نہ کریں، کیونکہ عورتوں کو اس کی ممانعت ہے کہ وہ ایسی خوشبو لگا کر نکلیں جو پھیلتی ہوئی نامحرم مردوں تک جائے۔

عورتوں کیلئے خوشبو لگا کر نکلنے کی ممانعت

اور حدیث میں اس پر سخت ممانعت اور سخت وعید آئی ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت
خوشبو لگا کر گھر سے باہر اس لئے نکلے تا کہ نامحرم مرد
اس کی خوشبو سونگھیں تو ایسی عورت زنا کار ہے۔

اس لئے خواتین کو خوشبو استعمال کرنے میں اور میک اَپ کرنے میں اس بات کا خصوصی خیال رکھنا چاہئے کہ اس کی خوشبو پھیلنے والی نہ ہو، دور تک جانے والی نہ ہو، دوسروں تک پہنچنے والی نہ ہو، ان کی حد تک ہی رہے۔

خواتین یا تو خوشبو لگا کر ہی نہ نکلیں اور اگر خوشبو لگانی ہی ہے تو اس بات کا پورا پورا اہتمام رکھیں کہ وہ خوشبو دوسرے مردوں تک نہ پہنچنے پائے، ورنہ اس میں گناہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک خاتون خوشبو لگا کر نکلیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محسوس ہوگیا تو انہوں نے مارنے کے لئے درّہ اٹھایا اور تنبیہ کی کہ تم اس طرح کیوں نکلی ہو کہ تمہاری خوشبو دوسروں تک آرہی ہے، میلی کچیلی اور بغیر خوشبو لگائے گھر سے نکلا کرو، یہ آپ نے تنبیہ فرمائی۔

اس لئے خواتین اس بات کا خیال رکھیں کہ ایسی خوشبو نہ لگائیں جو دوسروں تک پہنچنے والی ہو، ہاں اپنے محرم یا اپنے شوہر تک جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر نامحرم مردوں تک خوشبو جائے گی تو اس پر اللہ کی طرف سے پکڑ ہو جائے گی۔

سینٹ یا پرفیوم کے استعمال کا حکم

خوشبوؤں میں ہمارے یہاں ایک خوشبو سینٹ اور پرفیوم کہلاتا ہے، اس کا حکم بھی سمجھ لینا چاہئے۔

سینٹ لگانا جائز ہے لیکن نہ لگانا بہتر ہے، اور یہ نہ لگانا بہتر اس وجہ سے ہے کہ اس کی پاکی مشکوک ہے، اس لئے کہ عموماً سینٹ میں ''الکحل'' شامل ہوتا ہے اور الکحل ناپاک شرابوں کا بھی ہوسکتا ہے، جیسے انگور کی شراب، منقا کی شراب، کشمش کی شراب، یا کھجور اور چھوارے کی شراب، ان کی شراب سے جو الکحل حاصل ہوتا ہے اگر اس کی ماہیت تبدیل نہ کی جائے تو وہ جس طریقہ سے حرام ہے اور ناپاک ہے، اگر اس قسم کی شراب کا الکحل کسی سینٹ میں شامل ہوگا تو وہ بھی ناپاک ہوگا۔

اور ان کے علاوہ باقی چیزوں کی جو شرابیں ہوتی ہیں جیسے جو کی شراب، مکئی کی شراب، گنے کی شراب، ان سے جو الکحل حاصل ہوتا ہے وہ پاک ہوتا ہے، عموماً گھٹیا شرابیں چونکہ ان چیزوں سے بنتی ہیں، اس لئے ان کا الکحل بھی پاک ہوتا ہے، وہ الکحل جس چیز (سینٹ وغیرہ) میں شامل ہوگا وہ بھی پاک ہوگا۔

اور لکھا ہوا کسی میں بھی نہیں ہوتا کہ کونسی قسم کی شراب کا الکحل اس میں شامل ہے، تو اس میں احتمال پیدا ہوگیا کہ ہوسکتا ہے کہ کسی ناپاک شراب کا الکحل اس میں شامل کیا گیا ہو۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ اصل حکم تمام چیزوں میں

پاکی کا ہے، اس لئے اصل حکم تو یہ لگے گا کہ پاک ہے، محض شک اور احتمال کی وجہ سے ناپاک نہیں کہا جائے گا، لیکن یہ کہا جائے گا کہ احتیاط کرنا بہتر ہے اور نہ لگانا اچھا ہے۔

لیکن اب تو ایسے بھی اسپرے، سینٹ اور خوشبوئیں آ رہی ہیں کہ اس میں لکھا ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا الکحل شامل نہیں ہے، اس کے استعمال میں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

خوشبو لگانے کی سنّت کا اہتمام کرنا چاہئے

بہرحال! یہ خوشبو لگانا بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے اور اسے بھی ہمیں زندہ کرنا چاہئے، یہ سنّت کافی مردہ ہوگئی ہے، مسجد میں آؤ بلکہ جمعہ کے دن بھی آؤ تو کوئی خوشبو محسوس نہیں ہوتی۔

رمضان شریف میں مسجد نبوی ﷺ میں دیکھا کہ ماشاء اللہ لوگ خود بھی خوشبو لگاتے ہیں اور دوسروں کے بھی لگاتے ہیں، ایک آدمی اٹھے گا اور پوری صف میں لگاتا چلا جائے گا، کوئی ادھر سے اٹھے گا اور ادھر تک لگاتا ہوا چلا جائے گا، ماشاء اللہ مسجد معطّر ہو جاتی ہے۔

مساجد میں دھونی دینا

اور یہاں ہماری مسجدیں معطّر نہیں ہوتیں، ہمارے یہاں تو مسجدوں کے اندر دھونی کا بھی کوئی انتظام نہیں، حالانکہ یہ بھی سنّت ہے۔

آپ اندازہ لگائیے! ہمارے دین میں خوشبو کی کتنی اہمیت ہے کہ مسجد کو بھی دھونی دینا عود کی یا کسی بھی خوشبودار چیز کی یہ سنّت ہے۔

یہ سنّت تقریباً ہماری مساجد میں مردہ ہوگئی ہے، اس لئے ہلکی ہلکی کوئی خوشبو یا اگربتی یا کوئی دھونی ہماری مساجد میں ہونی چاہئے۔ اور جو بھی یہ سنّت زندہ کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ سنّت کا ثواب ملے گا، لیکن اتنی بھی خوشبو نہ لگائیں کہ لوگوں کو نزلہ ہو جائے، اس کا بھی خیال رکھیں، تھوڑی تھوڑی ہی لگائیں تو بہتر ہے۔

سفر و حضر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہنے والی اشیاء

زادالمعاد میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے سفر میں بھی اور حضر میں بھی سات چیزیں رکھی رہتی تھیں، ان میں ایک تیل کی شیشی، کنگھا، سرمہ دانی، قینچی، آئینہ، مسواک اور ایک چھوٹی سی لکڑی جو سر کھجانے کے کام آیا کرتی تھی، یہ سات چیزیں آپ کے پاس ہوتی تھیں۔

حضور اکرم ﷺ کا خوشبو استعمال کرنے کا اہتمام

اور زادالمعاد میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں بھی خوشبو لگایا کرتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوتے تو پہلے استنجا فرمایا کرتے تھے، استنجا فرمانے کے بعد وضو فرماتے، وضو سے فارغ ہونے کے بعد اپنے لباس مبارک پر خوشبو لگایا کرتے

تھے۔

آپ اس سے اندازہ لگائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو سے کتنی دلچسپی تھی؟ اور کتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو سے تعلق اور محبت تھی؟ ہم بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے امتی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا عطر تھے، اس کے باوجود اتنا خوشبو کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، تو ہمیں بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کا ایک عجیب واقعہ

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دنیا سے جانے کے بعد بھی باقی ہے، خواب میں اگر آپ کہیں تشریف لے جاتے تو وہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوشبو والی خاص صفت ظاہر ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک شخص کا یہ معمول تھا کہ وہ خاص تعداد میں روزانہ درود شریف پڑھ کر سویا کرتے تھے (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ آمین) تو انہوں نے ایک خاص مقدار بطور معمول کے درود شریف پڑھنے کی مقرر کی ہوئی تھی اور وہ درود شریف پڑھ کر رات کو سو جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ خواب میں سرکارِ دو جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے، اور جو درود شریف پڑھا کرتے تھے ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ بھئی! وہ منہ کہاں ہے جو مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرتا ہے کہ میں اس کو بوسہ دوں (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ صاحب

کہتے ہیں کہ مجھے اپنا گندا منہ سامنے کرتے ہوئے شرم آئی تو میں نے رخسار آگے کر دیا، اسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ لیا، جب میں نیند سے بیدار ہوا تو میرا کمرہ خوشبو سے مہکا ہوا تھا، مشک کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی (صلی اللہ علیہ وسلم) خواب میں تشریف لائے پھر بھی کمرہ مہکا گئے (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضور ﷺ کے ساتھ تعلق کے نتیجے میں ایک کرامت

حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے بزرگوں میں سے ہیں، جب ان کا انتقال ہوگیا تو ان کے داماد نے بیان کیا کہ حضرت مولانا کے اس کمرہ سے جس میں ان کا انتقال ہوا، ایک مہینے تک مشک وعنبر کی خوشبو آتی تھی، تو کسی نے یہ صورتحال حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے پاس جاکر بیان کی کہ حضرت! مولانا کے کمرہ سے انتقال کے بعد بھی خوشبو آتی رہی اور مہک آتی رہی، تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھئی یہ برکت ہے درود شریف کی، مولانا مرحوم ہر شب جمعہ میں ساری رات جاگ کر درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

درود شریف کی کثرت اور اتباع سنّت کی برکت

بھئی! درود شریف کی کثرت اور اتباع سنّت یہ واقعی اگر کسی کو نصیب ہو جائیں تو انشاء اللہ اس کو بھی اس خوشبو میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ملے گا۔

ایک خاص درود شریف کی فضیلت

اور جمعہ کے دن کا خاص درود شریف ہے، وہ میں آپ کو بتادوں کہ جو آدمی جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد جہاں اس نے عصر کی نماز پڑھی ہے وہیں پر اسّی (۸۰) مرتبہ یہ درود شریف پڑھے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی آلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْماً۔

اللہ تعالیٰ اس کے اسّی (۸۰) سال کے گناہ صغیرہ معاف کر دیتے ہیں اور اسّی (۸۰) سال کی عبادت کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

اندازہ لگایئے! دنیا کا بھی نفع اور آخرت کا بھی نفع۔ اور ویسے بھی جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھنے کی تاکید ہے، اس لئے صبح سے شام تک زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کا معمول بنانا چاہئے۔

اور درود شریف سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہئے، جس میں سے ایک سنّت آج آپ کے سامنے بیان ہوگئی کہ خوشبو کا استعمال کرنا بھی سنّت ہے اور اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

مرد حضرات ایسی خوشبو لگائیں جو پھیلنے والی ہو اور عمدہ ہو، اور خواتین ایسی خوشبو لگائیں جو ان تک محدود رہے اور دوسروں تک نہ پھیلے، جس میں

رنگ غالب ہو اور خوشبو زیادہ نہ ہو۔

اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔
آمین۔

صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد
وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وضوء، غسل اور تیمّم

کا مسنون طریقہ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/ ۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وضوء، غسل اور تیمّم کا مسنون طریقہ

اور اس کا فائدہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَعَلیٰ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً ○ يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ، وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْماً ○ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ۔

(سورۃ الاحزاب، آیت ۷۰،۷۱)

دین زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! ہمارے اور آپ کے یہاں جمع ہونے کا اصل مقصد دین کی ضروری باتیں جاننا اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اور دین ہماری پیدائش سے لے کر موت تک، ساری زندگی پر محیط ہے، اس میں عقائد بھی ہیں، عبادات بھی ہیں، معاملات بھی ہیں، معاشرت بھی ہے، اخلاقیات بھی ہیں، دین کا تعلق صحت اور مرض سے بھی ہے، شادی اور غمی سے بھی ہے، ولادت اور وفات سے بھی ہے اور دین کا تعلق تجارت، زراعت اور ملازمت سے بھی ہے۔ یہ تمام زندگی کے مراحل ہیں اور ہر مرحلے میں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام موجود ہیں۔

اور جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو فراموش کئے ہوئے ہیں، اس لئے کبھی کسی شعبہ سے متعلق دین کی باتیں بیان کی جاتی ہیں، اور کبھی کسی شعبہ سے متعلق دین کی باتیں بیان کی جاتی ہیں، ان سب کے بیان کرنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ ہر شعبہ زندگی سے متعلق ہماری خامیاں دور ہوں اور ہر لحاظ سے ہم ایک سچے اور پکے مسلمان بن سکیں۔ صحیح اور کامل مؤمن وہی ہے جو عبادات میں بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل کرتا ہو، اور معاملات میں بھی، معاشرت میں بھی، اخلاقیات میں بھی، ہر مرحلے پر جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمارے لئے جائز ہیں، وہ اس پر عمل کرتا ہو اور جو باتیں ناجائز ہیں ان سے پرہیز کرتا ہو۔

آج کے بیان کا مقصد

اسی مقصد کے پیش نظر آج میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ آج میں آپ کے سامنے وضوء اور غسل کا کامل طریقہ بیان کروں، جس میں فرائض بھی آجائیں، سنتیں بھی آجائیں، مستحبات بھی آجائیں، اور وہ طریقہ ہم اچھی طرح اپنے ذہن میں رکھ کر آج ہی سے اپنے وضوء اور غسل کی اصلاح کرلیں، اور آئندہ جو بھی ہمارا وضوء اور غسل ہو وہ اس بیان کردہ طریقے کے مطابق ہو۔

وضوء اور غسل کی ضرورت

وضوء کی تو ہمیں روزانہ دن میں کم از کم پانچ مرتبہ ضرورت پیش آتی ہی ہے، مردوں کو بھی آتی ہے اور خواتین کو بھی آتی ہے، اور غسل کی ضرورت بھی ہفتہ میں دو چار مرتبہ پیش آ ہی جاتی ہے، گرمیوں میں زیادہ ضرورت پیش آتی ہے اور سردیوں میں کم، لیکن آتی ہے، چنانچہ ہم لوگ جیسے تیسے وضوء اور غسل کر ہی لیتے ہیں، لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارا وضوء سنّت کے مطابق ہو اور کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارا غسل بھی سنّت کے مطابق ہو، جس میں ہمارے لئے دنیا کے بھی اور آخرت کے بھی بہت سے فوائد ہیں۔

وضوء کامل اور غسل کامل کا فائدہ

سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ جب وضوء کامل ہوگا یعنی سنّت کے مطابق ہوگا، اور غسل بھی کامل ہوگا اور سنّت کے مطابق ہوگا، تو یہ سنّت کے مطابق ہونے کی وجہ سے عبادت بن جائے گا اور باعثِ اجر و ثواب ہوگا۔ باعث اجر و ثواب میں وہ فضیلت بھی داخل ہے جو وضوء اور غسل کے بارے میں ایک حدیث شریف میں آئی ہے کہ جب وضوء کرنے والا وضوء کر کے فارغ ہوتا ہے یا غسل کرنے والا غسل کر کے فارغ ہوتا ہے تو وہ سر سے پیر تک تمام (صغیرہ) گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، اللہ پاک اس کو تمام خطاؤں اور گناہوں سے پاک و صاف فرما دیتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا فائدہ ہے، خلافِ

سنّت وضوء اور غسل کرنے میں یہ فضیلت ملنا مشکل ہے، یوں اللہ پاک اپنی رحمت سے عطاء فرما دیں تو ان کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے، لیکن احادیث طیبہ میں کامل طریقے سے وضوء اور غسل کرنے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا کشف

کامل اور مسنون طریقہ سے وضوء کرنے پر گناہوں کا دُھلنا، یہ ایک ایسی بات ہے کہ بعض اہلِ کشف کو اللہ پاک نے آنکھوں سے دِکھائی ہے۔ ان اہل کشف میں سے ہمارے حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہؒ بھی ہیں، آپ وضوء کا پانی دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ اس پانی میں کون سا گناہ کبیرہ بہہ کر جا رہا ہے یا کون سا گناہ صغیرہ دھل کر جا رہا ہے، نیز اولیٰ اور خلافِ اولیٰ کا بھی فرق ہوتا ہے، حضرت امام صاحب یہ بھی بتا دیا کرتے تھے کہ اس پانی میں خلافِ اولیٰ کام کا گناہ بہہ کر جا رہا ہے یا مکروہ تنزیہی کا گناہ دھل کر جا رہا ہے۔ تو حضرت امام صاحبؒ کی نظر میں پانی کو دیکھ کر اولیٰ اور خلافِ اولیٰ کا بھی فرق ظاہر ہوتا تھا، جو بہت ہی باریک بات ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں یہ کیفیت عطاء فرما دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے وضوء خانے میں دیکھا کہ ایک شخص کے وضوء کے پانی میں ماں باپ کی نافرمانی کا گناہ بہہ کر جا رہا تھا تو آپ نے وضوء کرنے والے سے فرمایا کہ بیٹا! ماں باپ کی نافرمانی سے بچنا چاہئے، اس نے

اقرار اور اعتراف کیا اور امام صاحب کے ہاتھ پر توبہ کی۔

ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے وضوء کے پانی میں بدکاری کا گناہ بہہ کر جارہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ بھئی! اس گناہ سے باز رہنا چاہئے، اس نے اقرار کیا اور امام صاحب کے ہاتھ پر توبہ کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ میں یہ گناہ نہیں کروں گا۔

ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے وضوء کے پانی میں شراب نوشی کا گناہ بہہ کر جارہا تھا، آپ نے اس کو بھی تنبیہ فرمائی، اس نے بھی آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ میں یہ گناہ نہیں کروں گا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کیفیتِ انکشاف عطاء فرمائی تھی کہ وضوء کا پانی دیکھ کر بتادیا کرتے تھے کہ کس پانی میں کونسا گناہ بہہ کر جارہا ہے۔ لیکن آپ اس سے بہت تنگ آگئے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی کہ اے اللہ! مجھ سے اپنے بندوں کے عیوب کو پردہ فرمادیجئے کہ میرے سامنے آپ کے بندوں کے گناہ نظر نہ آیا کریں اور اپنی رحمت سے اس صورتحال سے آپ مجھ کو بچالیجئے اور جس طرح پہلے میرے سامنے آپ کے بندوں کے گناہ نہیں آتے تھے، اب بھی نہ آئیں۔ بہت گڑگڑا کر دعا کی، تب یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ پاک نے دوبارہ ان پر پردہ ڈال دیا۔

اللہ پاک کتنے مہربان ہیں، ہمارے گناہوں پر کس طرح پردہ ڈالے ہوئے ہیں کہ وضوء کے دوران ہمیں تو ایک جیسا ہی پانی بہتا ہوا نظر آتا

ہے، مگر اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کس شخص کے وضوء کے پانی میں اس کے کون کون سے گناہ دُھل دُھل کر جارہے ہیں، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وضوء کرنے سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے اور غسل کرنے سے بھی انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ہے کہ وضوء اور غسل سنّت کے مطابق ہو تو انشاء اللہ اس کے گناہوں کی بخشش کی زیادہ قوی امید ہو گی جیسا کہ احادیثِ طیّبہ میں بخشش کی صراحت ہے۔ اور گناہوں کی بخشش ہو جانا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے اور بڑا عظیم فائدہ ہے۔

مسنون طریقے میں زیادہ وقت نہیں لگتا

اگر ہم کامل طریقے سے وضوء کریں گے یا غسل کریں گے تو یہ بات نہیں ہے کہ جس طرح سے ہم پہلے وضوء یا غسل کرتے تھے، اُس کے مقابلے میں اب کچھ زیادہ وقت لگ جائے گا، یا اس میں کچھ زیادہ طاقت خرچ ہو گی، کچھ نہیں، تقریباً وہی وقت لگے گا، ویسی ہی توانائی خرچ ہو گی، لیکن وضوء اور غسل پہلے سے کہیں زیادہ اچھا ہو گا اور آسان ہو گا، اور سنّت کے مطابق اور آداب کے مطابق ہونے کی وجہ سے باعثِ قربِ الٰہی ہو گا۔

سنّت پر عمل کرنے سے حضور ﷺ کا قرب حاصل ہوتا ہے

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اعمال کی یہ فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جو شخص فلاں عمل کرے گا وہ قیامت کے دن میرے

زیادہ قریب ہوگا اور فلاں عمل بندے کو اللہ تعالیٰ کے بہت قریب کرنے والا ہے، فلاں عمل سے بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب ہوگا۔ ان میں سے دو عمل آپ نے یہ بیان فرمائے ہیں، ان میں سے پہلا عمل یہ ہے کہ جو آدمی جتنا زیادہ میری سنّتوں پر عمل کرنے والا ہوگا، وہ اتنا ہی زیادہ قیامت میں میرے قریب ہوگا۔ اندازہ لگایئے! ہم سب ہی کو قیامت میں سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور آپ کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہونے کی ضرورت ہے، ہر مؤمن کے دل کی آرزو ہے کہ وہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہو، کیونکہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوگا وہ ساری مصیبتوں اور عذابوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہے گا۔ اس کا آسان طریقہ یہی ہے کہ یہاں پر ہمارا ہر عمل سنّت کے مطابق ہو جس میں وضوء اور غسل بھی داخل ہیں۔

دوسرا عمل آپ نے یہ بیان فرمایا کہ جو دنیا میں جتنا زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا، اتنا ہی زیادہ وہ قیامت میں میرے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہوگا۔ یہ دو عمل ہیں، ایک درود شریف کی کثرت اور دوسرا سنّتوں پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنا ہے۔

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہترین کلام اللہ کا کلام ہے، اور سب سے بہترین طریقہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ اس لئے بھی ضرورت ہے کہ ہمارا وضوء اور غسل سنّت کے مطابق ہو جو باعث مغفرت بھی ہے، باعث

اجر بھی ہے اور قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بھی کرنے والا ہے۔ بہر حال سنت کے مطابق وضوء اور غسل کرنے کے یہ چند فائدے ہیں۔

وضوء کا کامل طریقہ اور آداب

قبلہ رخ اور بلند جگہ بیٹھنا

وضوء کا کامل طریقہ یہ ہے کہ جب آپ وضوء کرنے کا ارادہ کریں تو کسی پاک اور بلند جگہ پر قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائیں تاکہ وضوء میں استعمال ہونے والا پانی جسم اور کپڑوں پر نہ گرے اور نیت کریں کہ یا اللہ! میں آپ کی رضاء کے لئے اور آپ کی خوشنودی کے لئے اور پاک و صاف ہونے کے لئے وضوء کرتا ہوں۔

وضوء کے شروع میں بسم اللہ

اس کے بعد "بسم اللّٰہ" کہیں، یہ کم سے کم ہے (احمد) یا "بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم" پڑھیں، تیسری دعاء ہے "بسم اللّٰہ والحمدللّٰہ" (طبرانی) چوتھی دعاء ہے "بسم اللّٰہ العظیم والحمدللّٰہ

علی دین الاسلام" (کنزالعمال) یہ چار دعائیں ہو گئیں، چاروں میں جو نسی چاہے اختیار کرلیں، ہر طرح سے ٹھیک ہے، صرف بسم اللہ کہنا بھی کافی ہے جو کتنا آسان ہے، یا پھر **بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم** کہہ لیں، یا **بسم اللّٰه والحمدللّٰه** کہہ لیں۔

بسم اللہ والحمد للہ کی فضیلت

بسم اللہ والحمد للہ کی یہ فضیلت حدیث میں آئی ہے کہ جو آدمی وضوء کے شروع میں یہ کلمہ کہتا ہے اور اس سے وضوء کو شروع کرتا ہے تو وضوء کرنے کے بعد جب تک اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا، چاہے ایک گھنٹے تک نہ ٹوٹے، چاہے چار گھنٹے تک نہ ٹوٹے، جب تک اس کا وضوء قائم رہے گا، اس وقت تک وہ فرشتے جو اس کی نگرانی کے لئے اس کے کندھوں پر مقرر ہیں، وہ برابر اس کے نامۂ اعمال کے اندر نیکیاں لکھتے رہیں گے۔ یعنی وضوء کرنے کا ثواب جدا ہے اور بسم اللہ والحمد للہ کہنے کا ثواب الگ ملے گا، اب جس کا جتنی دیر تک وضوء رہے گا، اتنی دیر تک اس کا ثواب لکھا جاتا رہے گا، وضوء ٹوٹ جائے پھر دوبارہ کرلیں، جب دوبارہ بسم اللہ والحمد للہ پڑھ کر وضوء کرلیں گے تو پھر جب تک وضوء رہے گا، فرشتے برابر اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھتے رہیں گے۔

جس کو چاروں دعائیں یاد ہوں وہ چاروں بھی پڑھ سکتا ہے۔ بہر حال نیت کرنے کے بعد ان چاروں میں سے کوئی سی دعا پڑھیں۔

اس کے بعد ہاتھ میں پانی لیں اور تین مرتبہ دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئیں اور تین دفعہ انگلیوں کا خلال کریں۔

مسواک کرنے اور اس کے پکڑنے کا طریقہ

اس کے بعد مسواک کریں اور مسواک کو داہنے ہاتھ میں لینا چاہئے۔ اس کے پکڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ بیچ کی تین انگلیاں مسواک کے اوپر ہونی چاہئیں، انگوٹھا اور چھنگلی انگلی مسواک کے نیچے ہونی چاہئے۔ مسواک کو پانی سے تر کرلیں، اس کے بعد مسواک منہ میں ڈال کر پہلے دائیں طرف اوپر کے دانتوں میں اندر اور باہر مسواک کریں، پھر بائیں طرف اوپر کے دانتوں میں اندر اور باہر مسواک کریں، پھر دائیں طرف نیچے کے دانتوں میں اندر باہر مسواک کریں، پھر بائیں طرف نیچے کے دانتوں میں اندر باہر مسواک کریں۔ یہ ایک مرتبہ ہو گیا، پھر مسواک منہ سے نکال کر پانی سے دھولیں اور نچوڑلیں، پھر پانی سے تر کرکے اسی طریقے کے مطابق دوبارہ مسواک کریں، پھر اسی طرح تیسری مرتبہ مسواک کریں۔

(بحرالرائق)

ویسے مسواک جس طرح بھی پکڑیں گے اور مسواک کریں گے تو مسواک کی سنت ادا ہو جائے گی، مگر حضرات فقہاء کرامؒ نے اس کے پکڑنے کا ایک ادب اور طریقہ بتایا ہے کہ اس طرح سے مسواک پکڑنے میں سہولت رہتی ہے اور مسواک کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس لئے اس

طریقے سے تین دفعہ مسواک کریں۔

مسواک ایک بالشت ہونی چاہئے، اور انگلی کی موٹائی کے برابر ہونی چاہئے، نہ بہت پتلی اور نہ بہت موٹی، کیونکہ اس کے پکڑنے میں آسانی ہوتی ہے، اور ایک بالشت سے چھوٹی مسواک بھی جائز ہے جو اتنی چھوٹی ہو کہ وہ پکڑ میں آسکے اور جب اس سے بھی چھوٹی ہو جائے تو بدل لینی چاہئے۔

کلّی کریں

مسواک کرنے کے بعد پھر تین مرتبہ کلّی کریں، اگر روزہ نہ ہو تو کلّی کرنے میں غرغرہ بھی کریں اور پورے منہ میں اچھی طرح پانی گھمائیں، اگر روزہ ہو تو پھر غرغرہ نہ کریں، بس ویسے ہی اچھی طرح پانی گھمالیں، لیکن اس طرح گھمائیں کہ پانی حلق میں جانے نہ پائے، اگر حلق میں پانی چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ تین دفعہ اس طریقے سے کلّی کریں۔

ناک میں پانی ڈالیں

اس کے بعد دائیں ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالیں، اور ناک میں پانی اس طرح ڈالیں کہ جہاں تک ناک کا نرم حصّہ ہے ہڈی سے پہلے پہلے، وہاں تک پانی پہنچ جائے، اس کے لئے اگر ہلکا سا اوپر کو سانس لے لیں تو بڑی آسانی سے ناک کی ہڈی تک پانی پہنچ جاتا ہے۔ اگر ذرا سا بھی تیز سانس لے لیا تو پھر دماغ میں پانی چڑھ جائے گا، پھر چھینک آئے گی یا نزلہ ہو جائے گا،

اس لئے ہلکا سا سانس لینا کافی ہے۔ اور الٹے ہاتھ کی جو چھنگلی انگلی ہے اس سے ناک کے دونوں سوراخوں کی صفائی کریں، اس کے بعد الٹے ہاتھ ہی سے ناک چھنکیں، سیدھے ہاتھ سے نہ چھنکیں، سیدھا ہاتھ صرف پانی لینے کے لئے استعمال کریں۔ اس طرح تین دفعہ ناک میں پانی دیں اور اس کو صاف کریں۔

چہرہ دھوئیں

اس کے بعد پھر دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر چہرہ دھوئیں یعنی پیشانی کے بالوں سے لے کر تھوڑی کے نیچے تک اور دائیں کان کی لو سے بائیں کان کی لو تک، پھر ایک مرتبہ چہرے پر پانی ڈالیں اور اچھی طرح چہرے کو اور آنکھوں کو ملیں، ڈاڑھی کو مسلیں کہ پانی اچھی طریقے سے پہنچ جائے، اور جہاں جہاں پانی کے نہ پہنچنے کا اندیشہ ہو، وہاں احتیاط سے پانی پہنچائیں، جیسے صبح کے وضوء کے اندر ہوتا ہے کہ رات بھر سونے کی وجہ سے بعض مرتبہ میل آنکھ کے کناروں میں جمع ہو جاتا ہے اور جم جاتا ہے، جمنے کی وجہ سے اگر آدمی توجہ نہ دے تو وہ جما رہ جاتا ہے۔ لہٰذا اگر ایسی صورت ہو تو آنکھوں کو بھی اچھی طریقے سے مل کر دھونا چاہئے، تاکہ کہیں کوئی جگہ ایسی رہنے نہ پائے جہاں پانی نہ پہنچے۔ ہر جگہ اچھی طریقے سے پانی پہنچ جائے۔ اس طریقے سے تین دفعہ چہرے کو دھوئیں۔

چہرہ دھوتے وقت اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ احتیاط سے چہرے پر

پانی ڈالیں، نہ اپنے کپڑوں پر پانی گرے اور نہ ہی دوسروں کے کپڑوں پر گرے، اس کا بھی خصوصی خیال رکھنا ضروری ہے۔ بعض لوگ چہرے پر اتنے زور سے پانی مارتے ہیں کہ وہ خود بھی نہا جاتے ہیں اور برابر والے بھی آدھے نہا جاتے ہیں، یہ بڑی بدتمیزی اور بدتہذیبی کی بات ہے۔ وضوء کے پانی کو خود اپنے کپڑوں اور بدن پر گرانا بھی منع ہے بلکہ اس سے بچنے کا حکم ہے، دوسروں کے اوپر پانی گرانا تو بہت ہی بری بات ہے اور یہ سراسر دوسروں کو تکلیف پہنچانا ہے جو ناجائز ہے۔

اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضوء کرنے میں یہی حکمت ہے کہ وضوء کا پانی جسم اور کپڑوں پر جہاں تک ہو سکے گرنے نہ پائے، سارا وضوء کا مستعمل پانی نالی میں گرے، زمین پر گرے، جسم اور کپڑوں پر نہ گرے۔

ڈاڑھی کا خلال کریں

چہرہ دھونے کے ساتھ ساتھ درمیان میں ڈاڑھی کے اندر خلال بھی کریں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چلّو میں پانی لے کر اور ڈاڑھی کو پکڑ کر پانی اس کے اندر ڈالیں، اور خلال کرنے کے لئے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ڈاڑھی کے اندر اس طرح داخل کریں کہ ہتھیلی کا رخ سامنے کی طرف رہے اور ہتھیلی کی پشت آپ کی طرف رہے، ہتھیلی کے رخ کو اپنی طرف کر کے خلال نہیں کرنا چاہئے، لیکن اگر کسی نے اس طرح کر لیا تو بھی خلال ہو گیا۔ (شامیہ)

کہنیوں سمیت ہاتھ دھوئیں

اس کے بعد دائیں ہاتھ میں پانی لے کر انگلیوں کی طرف سے کہنیوں کی طرف پانی ڈالیں، اور پھر بائیں ہاتھ کی مدد سے اس پانی کو کہنیوں تک لیجائیں اور پھر کہنیوں سے لیتے ہوئے دوبارہ انگلیوں تک لے آئیں، یہیں انگلیوں سے پانی گیا تھا، گھوم کر یہیں پر پانی آگیا، یہ ہے کہنیوں سمیت ہاتھ دھونے کا طریقہ۔ بعض لوگ خالی کہنی نلکے کے نیچے کر کے اس کو دھونا شروع کر دیتے ہیں، یہ ہاتھ دھونا تو ہے مگر الٹا دھونا ہے، ہاتھ سیدھا دھونا چاہئے نہ کہ الٹا، سیدھا یہی ہے کہ چلّو میں پانی لے کر انگلیوں سے کہنیوں کی طرف لایا جائے اور پھر انگلیوں کی طرف سے ہی پانی گرایا جائے۔ تین دفعہ اس طریقے سے دایاں ہاتھ دھویا جائے، اور پھر تین دفعہ بایاں ہاتھ اسی طرح دھویا جائے کہ بائیں چلّو میں پانی لے کر انگلیوں سے کہنیوں کی طرف ڈالا جائے اور دائیں ہاتھ کی مدد سے اس پانی کو کہنیوں تک لایا جائے اور پھر کہنیوں سے لیتے ہوئے دوبارہ انگلیوں تک لایا جائے۔

سر کا مسح کریں

اس کے بعد سر کا مسح کریں۔ سارے سر کا مسح کرنا مردوں کے لئے بھی سنّت ہے اور عورتوں کے لئے بھی سنّت ہے۔ سر کا مسح کرنے میں اکثر لوگوں سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور ان کو سر کا صحیح مسح کرنے کا طریقہ

نہیں آتا۔ اس لئے اس کا طریقہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ یہی سر کے مسح کا طریقہ مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ سر کے مسح کے لئے دونوں ہاتھوں کو پانی سے تر کریں، اور دونوں ہاتھ کی تین تین انگلیاں ملا کر سر کے اگلے حصہ پر اس طرح رکھیں کہ ہتھیلیاں کنپٹی پر آ جائیں اور انگلیاں سامنے کے بالوں پر آ جائیں، اور شہادت کی انگلی اور انگوٹھا سر سے الگ رہیں، پھر ہاتھوں کو پیچھے لے کر جائیں جہاں تک بال ہیں، پھر چھنگلی انگلی کانوں کے سوراخ کے لئے استعمال کریں، یہ مستحب ہے، اور کان میں جو سلوٹیں ہیں، ان میں شہادت کی انگلی گھمائیں اور گھما کر کان کی لو تک لائیں، اور انگوٹھے سے کان کے اوپر والے حصے پر مسح کریں، اور انگلیوں کی پُشت سے گردن کا مسح کریں۔ کانوں کے نیچے جسم کا جو حصہ ہے، یہ گردن ہے اور انگلیوں کی پشت سے اس کا مسح کیا جائے گا۔

اس طریقے پر مسح کرنے سے خواتین کے سر کے بال خراب نہیں ہوں گے، اور جن لوگوں کے سر پر بھی بڑے بال ہیں ان کے بال بھی خراب نہیں ہوں گے۔

سر کے مسح کا دوسرا طریقہ

سر کے مسح کا ایک دوسرا طریقہ ایسا ہے کہ اس سے بھی سارے سر کا مسح ہو جاتا ہے، لیکن اس میں پیچھے کے سارے بال آگے آ جاتے ہیں،

جس میں بعض اوقات آدمی کو پریشانی ہوتی ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی تین تین انگلیاں ملا کر سر کے اگلے حصے پر اس طرح رکھیں کہ ہتھیلیاں بالوں سے اٹھی رہیں، پھر یہ انگلیاں پیچھے تک لے جائیں جہاں تک بال ہیں، پھر انگلیاں بالوں سے اٹھالیں اور ہتھیلیاں پیچھے کے بالوں پر رکھ کر آگے لائیں، باقی مسح کا طریقہ اسی طرح سے ہے جیسے پیچھے گزرا۔

اس طرح بھی پورے سر کا مسح ہو جائے گا مگر بال آگے آ جائیں گے۔ مقصود تو پورے سر کا مسح کرنا ہے، چاہے پہلے طریقے سے کیا جائے یا دوسرے طریقے سے، پورے سر کا مسح کرنا یہ سنت ہے، طریقہ کوئی سا بھی اختیار کرلیا جائے جس میں سہولت ہو۔

گدّی اور گلے کا مسح نہیں

یاد رکھیں! گدّی پر مسح نہیں کرنا چاہئے اور گلے کا بھی مسح نہیں کرنا چاہئے، عام طور پر آپ کو یہ دو کوتاہیاں بہت نظر آئیں گی کہ بعض لوگ گدی کا مسح بہت کرتے ہیں، اور گدّی پر اس طرح ہاتھ کھینچتے ہیں جیسے تلوار کھینچ رہے ہوں، اور بعض لوگ گلے پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور بعض لوگ تو بیچارے پورا ہاتھ دھو کر گدی اور گردن اور گلے سب پر خوب اچھی طرح ہاتھ گھماتے ہیں، اللہ جانے وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ یہ طریقے درست نہیں، جو لوگ ایسا کرتے ہیں انہیں اس سے بچنا چاہئے۔

وضوء کے درمیان کی دعا

حدیث میں وضوء کے درمیان ایک دعا آئی ہے، وہ بھی دوران وضوء پڑھ لینی چاہئے۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِی ذَنْبِی وَ وَسِّعْ لِی فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ -

اے اللہ! میری بخشش فرما دیجئے اور میرے گھر میں وسعت عطاء فرما دیجئے اور میری روزی میں برکت عطاء فرما دیجئے۔

یہ دوران وضوء کہیں بھی پڑھی جاسکتی ہے، خاص سر کے مسح کے بعد کی جگہ اس کے لئے مقرر نہیں ہے، بلکہ شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے بعد کہیں بھی یہ دعا پڑھ لی جائے، کلّی کرتے وقت یا منہ دھوتے وقت یا ہاتھ دھوتے وقت، جہاں چاہے پڑھ سکتے ہیں۔

ٹخنوں سمیت پاؤں دھوئیں

اس کے بعد پھر دایاں پاؤں ٹخنوں تک دھوئیں، پہلے ایک مرتبہ دھوئیں اور اچھی طرح سے ملیں، پانی سیدھے ہاتھ سے ڈالیں اور الٹے ہاتھ سے ملیں، اور الٹے ہاتھ کی چھنگلی انگلی سے پاؤں کی انگلیوں کا خلال کریں، خلال دائیں پاؤں کی چھنگلی انگلی سے شروع کریں اور انگوٹھے پر ختم کریں۔

پھر اسی طرح بایاں پاؤں ٹخنوں تک دھوئیں اور اچھی طرح سے ملیں، اس میں بھی الٹے ہاتھ کی چھنگلی انگلی سے پاؤں کی انگلیوں کا خلال کریں۔ خلال بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے شروع کریں اور چھنگلی انگلی پر ختم کریں۔

اس طریقے سے تین تین مرتبہ دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئیں، اور پیروں کے دھونے میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ایڑی کی جانب جو پاؤں کا حصّہ ہے، وہ سوکھا رہنے نہ پائے، جب موسم خشک ہوتا ہے یا جب موسم سرد ہوتا ہے تو اس وقت بعض دفعہ یہ پیچھے کا حصّہ سوکھا رہ جاتا ہے۔

اس لئے تمام اعضاءِ وضوء کو مَل مَل کر دھونا یہ الگ مستقل سنّت ہے، تاکہ کہیں بھی بال برابر جگہ سوکھی رہنے نہ پائے، ہاتھوں کو بھی اسی طرح مَل مَل کر دھونا ہے، چہرے کو بھی مَل مَل کر دھونا ہے، پیروں کو بھی مَل مَل کر دھونا ہے، تاکہ ہر جگہ پانی اچھی طریقے سے پہنچ جائے۔

چوڑی، انگوٹھی، لونگ اور گھڑی کا حکم

اگر خواتین نے چوڑیاں پہن رکھی ہوں یا انگوٹھیاں پہن رکھی ہوں، تو انگوٹھیوں کو اور چوڑیوں کو اچھی طرح ہلا لینا چاہئے، اسی طرح ناک میں اگر لونگ پہنی ہوئی ہے اور اندازہ یہ ہے کہ لونگ اتنی تنگ ہے کہ سوراخ میں پانی نہیں پہنچے گا یا انگوٹھی اتنی تنگ ہے کہ پانی اس کے نیچے نہیں پہنچے گا تو اس صورت میں ان کو ہلانا اور پانی پہنچانا ضروری ہے، اور اگر ڈھیلی ڈھالی

ہے تب بھی مستحب ہے کہ انہیں اچھی طریقے سے ہلالیں تاکہ پانی اندر پہنچ جائے۔

بعض مرد حضرات گھڑی پہنے پہنے ہی وضوء کرلیا کرتے ہیں کیونکہ ان کی گھڑی میں پانی نہیں جاتا، اس لئے وہ گھڑی اتارنے کی زحمت نہیں کرتے، تو اس میں یہی مسئلہ ہے کہ اگر ڈھیلی ہے تو اس کو ہلالینا مستحب ہے تاکہ اس کے نیچے پانی پہنچ جائے اور اگر کس کر باندھی ہوئی ہے تو پھر اس کو کھولنا یا اس کو اس طرح ہلانا واجب ہے کہ اس کے نیچے پانی اچھی طریقے سے پہنچ جائے۔

وضوء کے بعد کی دعا

وضوء سے فارغ ہونے کے بعد آسمان کی طرف منہ کرکے پھر یہ مشہور دعا پڑھیں:

اَشْھَدُاَنْ لاَ اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْكَ لَـہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّـوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔

ایک دعا یہ بھی ہے:

سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْھَدُاَنْ لاَّ اِلٰـہَ اِلاَّ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

ان میں سے جو بھی دعایاد ہو وہ پڑھلیں۔ تینوں ہی دعائیں یاد ہوں تو بہت اچھا ہے۔ ان دعاؤں کی برکت سے اللہ پاک جنّت کے اور آسمانوں کے آٹھوں دروازے اس کے لئے کھول دیتے ہیں۔

اس طرح وضوء کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے اور اس کے مطابق وضوء کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔

قبلہ رخ وضو خانے کو ترجیح دینی چاہئے

ہر مسجد میں جو وضو خانے ہوتے ہیں، ان میں سے بعض وضو خانوں میں کچھ حصّہ کا رخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے اور وضوءکرنے والا قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھ سکتا ہے، تو اگر ایسی جگہ خالی مل جائے تو اس کو ترجیح دینی چاہئے، تاکہ وہاں بیٹھ کر ہمارا چہرہ بھی قبلہ کی طرف ہو جائے، اور وضوء میں قبلہ کی طرف منہ کرنا جو مستحب ہے وہ ادا ہو جائے۔

بیٹھ کر وضوء کرنے کو ترجیح دینی چاہئے

جہاں کھڑے ہو کر وضوء کرنے اور بیٹھ کر وضوء کرنے، دونوں کا انتظام ہو تو اگر کوئی معذوری اور کوئی بیماری نہ ہو تو بیٹھ کر وضوء کرنے کو ترجیح دینی چاہئے، کیونکہ بیٹھ کر وضوء کرنے میں وضوء کا مستعمل پانی جسم اور کپڑوں پر کم سے کم گرتا ہے، اور کھڑے ہو کر وضوء کرنے میں کافی جھکنا پڑتا ہے اور اس کے باوجود پھر بھی اچھا خاصا پانی کپڑوں کے اوپر گر جاتا ہے،

بیسن پر کھڑے ہو کر وضوء کرنا

بیسن پر کھڑے ہو کر وضوء کرنا جائز ہے، اس میں یہ احتیاط کرنی چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے وضوء کا مستعمل پانی جسم اور کپڑوں پر گرنے نہ پائے، باوجود احتیاط کے گر جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہئے۔

وضوء کے پانی میں اسراف کرنا گناہ ہے

البتہ وضوء میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے، وہ یہ کہ جب سے ہمارے یہاں نلکوں کا رواج ہوا ہے، اس وقت سے پانی کے اندر اسراف کا گناہ بہت ہونے لگا ہے، وہ اس طرح کہ بعض لوگ وضو خانے میں بھی اور بیسن پر بھی نلکا کھول کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پانی مسلسل گرتا رہتا ہے، اس طریقے سے ایک آدمی جو ایک لوٹے سے وضوء کر سکتا ہے، وہ تقریباً نو لوٹے، آٹھ لوٹے، سات لوٹے، پانچ لوٹے، جیسا بھی نلکا ہو، بلا استعمال اور بلا وجہ پانی بہا دیتا ہے، جو اسراف ہے اور گناہ ہے، اسراف تو سمندر میں بھی جائز نہیں، دریا میں بھی جائز نہیں، تو یہاں جس شہر میں پانی کی قلّت ہو، وہاں یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ بہرحال اسراف کا یہ گناہ آج ہمارے یہاں بہت ہی زیادہ پایا جاتا ہے، اس لئے اس پر گناہ سے بہت زیادہ اہتمام کے ساتھ بچنا چاہئے۔

اسراف سے بچنے کا طریقہ

اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب وضوء کرنے کے لئے بیسن پر کھڑے ہوں یا نلکے پر بیٹھیں تو الٹا ہاتھ نلکا کھولنے اور بند کرنے کے لئے مخصوص کر دیں اور سیدھا ہاتھ پانی لینے کے لئے مقرر کر دیں، الٹے ہاتھ سے نلکا بند کر کے پھر الٹا ہاتھ بھی سیدھے ہاتھ کے ساتھ ملا کر پانی کا استعمال کریں، اس میں ذرا سی مشق کرنے کی ضرورت ہے، کوئی مشکل نہیں ہے، اس طرح ہم اسراف کے گناہ سے بچ سکتے ہیں۔ یہاں تک وضوء کا کامل طریقہ مکمل ہو گیا۔

غسل کا مسنون طریقہ اور آداب

اس کے بعد غسل کا کامل اور مسنون طریقہ معلوم ہونا چاہئے۔ غسل کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص غسل کرنے کا ارادہ کریں تو سب سے پہلے نیت کریں، کہ یا اللہ! میں آپ کی خوشنودی کے لئے غسل کرتا ہوں، یا یا اللہ! میں طہارت اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے غسل کرتا ہوں۔ یہ دل کے اندر نیت کریں۔

اس کے بعد اب پہلے اپنے دونوں ہاتھ گٹوں تک تین مرتبہ

دھوئیں، اس کے بعد پانی سے استنجاء کریں، چھوٹا بھی اور بڑا بھی، خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اس کے بعد اگر جسم پر کہیں ناپاکی لگی ہوئی ہو تو اس کو پاک کرلیں۔

اس کے بعد اب سنّت کے مطابق وضوء کریں، وضوء کرنے میں چونکہ بسم اللہ بھی پڑھنی ہے اور دعائیں بھی پڑھنی ہیں، تو یہ دیکھیں کہ آپ نے غسل خانے میں جاکر سب کپڑے اتار دیئے ہیں یا نہیں، اگر آپ نے سب کپڑے اتار دیئے ہیں تو اب اللہ کا نام لینا بے ادبی کی بات ہے۔ اسی طرح اگر غسل خانہ پاک وصاف نہیں ہے تب بھی باوجود کپڑے پہننے کے اللہ کا نام لینا ناپاک جگہ پر اور گندی جگہ پر بے ادبی کی بات ہے اور اس میں اللہ کے نام کی بے حرمتی ہے۔ لہٰذا اس وقت اللہ کا نام نہ لیں، بلکہ ویسے ہی بغیر بسم اللہ اور دعاؤں کے پورا وضوء کریں، وضوء کا طریقہ وہی ہے جو پیچھے بیان ہوا۔

لیکن اگر غسلخانہ صاف وشفاف ہے اور ابھی آپ نے کم از کم تہبند باندھا ہوا ہے یا شلوار پہنی ہوئی ہے، باقی جسم چاہے کھول لیا ہو، لیکن ستر چھپا ہوا ہو، وہ برہنہ نہ ہو، تو پھر وضوء اسی طریقے سے کریں جیسے وضوء کے بیان میں گزرا، یعنی سنّت کے مطابق وضوء کریں، وضوء کی جتنی دعائیں ہیں وہ بھی پڑھیں، شروع کی دعا بھی پڑھیں، درمیان کی دعا بھی پڑھیں، اور آخر کی بھی پڑھیں اور مذکورہ طریقے سے وضوء مکمل کریں۔

البتہ پاؤں دھونے میں اتنی بات یاد رہے کہ اگر اس غسلخانے میں پانی

جمع ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ پانی نکلتا ہے تو پاؤں ابھی نہ دھوئیں بلکہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد وہاں سے الگ ہو کر دھوئیں، اور اگر پانی جمع نہیں ہوتا، ساتھ ساتھ سب پانی بہہ جاتا ہے تو پھر پاؤں بھی اسی وقت دھو کر اپنا وضوء مکمل کر لیں۔

ڈونگے سے نہانے کا طریقہ

وضوء مکمل کرنے کے بعد اب نہانے کا نمبر آئے گا، تو نہانے کے دو طریقے ہیں، ایک شاور کے نیچے اور ایک بالٹی اور ڈونگے کے ذریعے۔ ڈونگے کے ذریعہ اگر نہانا ہو تو پہلے ایک ڈونگا بھر کر سر پر ڈالیں کہ پانی نیچے تک آجائے، پھر دائیں طرف پانی ڈالیں کہ پانی نیچے تک آجائے، پھر بائیں طرف ڈالیں کہ پانی نیچے تک آجائے، اب اپنے جسم کو ملیں اوپر سے نیچے، دائیں سے بائیں سے، جس طرح سہولت ہو، بہر حال اچھی طرح اپنا جسم ملیں اور جسم کو صاف کریں، صابن لگانے کی ضرورت ہو تو صابن لگالیں، پھر جب دوبارہ پانی ڈالیں تو پہلے سر پر ڈالیں، پھر دائیں طرف ڈالیں، پھر بائیں طرف ڈالیں اور ہر مرتبہ اتنا پانی ڈالیں کہ وہ پانی نیچے تک پہنچ جائے، اور اپنے جسم سے میل کو دور کریں، صابن کو دور کریں اور جسم کو صاف ستھرا کریں، مزید صابن لگانے کی ضرورت ہو تو مزید لگالیں، اس کے بعد جب پانی ڈالیں تو پہلے سر پر ڈالیں، پھر دائیں طرف ڈالیں، پھر بائیں طرف ڈالیں، اور ہر مرتبہ اتنا پانی ڈالیں کہ نیچے تک آجائے۔

بس اسی طریقے سے سر سے پیر تک پورے جسم کو تین مرتبہ اچھی طرح پانی سے دھوئیں کہ بال برابر جگہ بھی سوکھی رہنے نہ پائے۔ اگر تین مرتبہ سے زیادہ پانی ڈالنے کی ضرورت ہو، یا تو اس وجہ سے کہ صابن دور نہیں ہوا، یا اس وجہ سے کہ میل دور نہیں ہوا، چکناہٹ باقی ہے، تو مزید اور پانی ڈال لیں۔ اس طریقے سے نہانے کے بعد اب مزید فرحت حاصل کرنے کے لئے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے نہانے کو دل چاہ رہا ہے تو مزید پانی ڈال سکتے ہیں، مگر پانی اسی ترتیب سے ڈالیں کہ پہلے سر پر پھر دائیں طرف پھر بائیں طرف، یہ بہتر ہے۔

شاور سے نہانے کا طریقہ

شاور کے نیچے نہانا ہے تو اس کے اندر بھی یہی طریقہ اختیار کریں کہ پہلے سر پر پانی ڈالیں، پھر دائیں طرف ڈالیں، پھر بائیں طرف ڈالیں۔ شاور دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ ہے جو آدمی ہاتھ میں لئے بیٹھا رہتا ہے، جدھر چاہے گھمالے، اور ایک شاور وہ ہوتا ہے جو دیوار میں لگا ہوتا ہے، اس میں آدمی کو گھومنا پڑتا ہے، تو جہاں خود کو گھومنا پڑے وہاں خود گھوم جائیں، بیٹھے بیٹھے گھومیں یا کھڑے ہو کر گھومیں اور پہلے پانی سر پر لیں، پھر دائیں طرف لیں، پھر بائیں طرف لیں، اس میں دائیں بائیں کھسکنا پڑے گا، اور ہاتھ والے میں خود کو گھومنا نہیں پڑے گا بلکہ اسی کو گھمانا پڑے گا، اسے پہلے سر پر گھمالیں، پھر دائیں طرف گھمالیں، پھر بائیں طرف گھمالیں۔

غسل مسنون آسان بھی، فائدہ مند بھی

دیکھئے! دین کے احکام میں اور سنّت پر عمل کرنے میں کہیں کوئی دشواری نہیں ہے، غسل وہی ہے جو ہم اب تک کرتے آرہے ہیں، سنّت کے مطابق بھی وہی غسل ہوگا، لیکن سنّت کے مطابق جو غسل ہوگا، وہ زیادہ اچھا اور بہتر بھی ہوگا اور نیز وہ عبادت اور باعث اجر و ثواب بھی ہوگا، اور باعث اجر و ثواب میں یہ کتنی عظیم بشارت ہے کہ وہ سنّت قیامت میں اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کرنے والی ہو جائے گی، اس سے بڑی اور کیا سعادت چاہئے کہ دنیا کے اندر بھی جو مقصود ہے جسم کی طہارت، نظافت اور جسم کو ٹھنڈک پہنچانا، وہ بھی اس طریقے سے حاصل ہو رہا ہے، اور ساتھ ساتھ وہ عبادت بھی بن رہا ہے، جبکہ اپنے طریقے سے غسل کرنے میں وہ بات حاصل نہیں ہو رہی، اس لئے غسل کا مسنون طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

غسل کے بعد بدن پونچھنا

غسل سے فارغ ہونے کے بعد اب بدن پونچھنے کا مرحلہ آتا ہے، تو قربان جائیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ ﷺ نے غسل کے بعد بدن پونچھا بھی ہے اور نہیں بھی پونچھا، دونوں میں سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سنّت چھوڑ گئے ہیں، تاکہ میرے امتی جس

موقع پر جس سنّت پر عمل کرنا چاہیں اور میرے جس طریقے کو اپنانا چاہیں تو میرا نمونہ ان کے پاس موجود ہو۔ اللہ اکبر۔ لہٰذا اگر دل چاہ رہا ہے بدن پونچھنے کو جیسا کہ سردیوں میں ہوتا ہے تو پونچھنے کی سنّت کی نیت سے اپنے بدن کو پونچھ لیں، اور گرمیوں میں نہ پونچھنے کو دل چاہتا ہے تو اس وقت یہ نیت کرلیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ جسم نہیں پونچھا، اس لئے میں بھی اس سنّت پر عمل کرتا ہوں۔ ایسا کرنے میں سنّت کا ثواب بھی مل رہا ہے اور طبیعت کا تقاضا بھی پورا ہو رہا ہے، فطرت بھی پوری محفوظ ہے اور اس کے تقاضے بھی پورے ہو رہے ہیں، لیکن اب سب سنّت کے دائرے میں یہ تقاضے پورے ہو رہے ہیں۔

غسل خانے میں جانے اور باہر نکلنے کا ادب اور دعا

غسل خانے میں جانے اور باہر نکلنے کے آداب اور دعائیں وہی ہیں جو بیت الخلاء میں جانے اور نکلنے کے لئے ہیں، یعنی جب غسلخانہ میں داخل ہوں تو باہر ہی دعا پڑھ لیں، صرف بسم اللہ پڑھلیں یا بیت الخلاء والی دعا "بسم اللّٰہ اللھم انی اعوذبك من الخبث والخبائث" پڑھلیں، اور جب غسلخانہ سے باہر نکلیں تو باہر آکر باہر نکلنے کی دعا "غفرانك الحمدللّٰہ الذی اذھب عنی الاذیٰ وعافانی" پڑھلیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہی دونوں دعائیں غسلخانہ میں آنے جانے کے لئے بھی ہیں۔

اور جس طریقے سے بیت الخلاء میں جب داخل ہوتے ہیں تو پہلے بایاں پاؤں اندر رکھتے ہیں اور جب نکلتے ہیں تو پہلے دایاں پاؤں باہر رکھتے ہیں، غسلخانہ میں بھی یہی ترتیب رکھنی ہے کہ جب اندر جائیں تو پہلے بایاں پاؤں اندر رکھیں اور جب باہر نکلیں تو پہلے دایاں پاؤں باہر رکھیں۔

غسلخانہ میں جانے کی ایک اور دعا

سیدی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے پُرنور دعاؤں میں ایک عجیب و غریب دعا غسل کے لئے جانے سے پہلے پڑھنے کی لکھی ہے، وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ۔

جب غسلخانہ میں نہانے کے لئے آدمی جائے تو داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے، اے اللہ! میں آپ سے جنّت مانگتا ہوں اور آپ سے دوزخ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ اکبر کیسی جامع دعا ہے۔ گناہوں کی بخشش تو انشاء اللہ سنّت کے مطابق وضوء کرنے کے بعد ہو ہی جائے گی، یعنی صغیرہ گناہوں کی بخشش ہو جائے گی، اور ساتھ میں یہ دعا بھی اس کے ساتھ لگ جائے گی کہ یا اللہ! یہ عمل آپ نے سنّت کے مطابق کروادیا جو باعث بخشش ہے اور میری درخواست بھی آپ سے یہی ہے۔ اور اسی لئے میں نے یہ عمل کیا ہے۔ کہ اے اللہ! آپ مجھے اپنے فضل سے جنّت عطاء فرما دیجئے اور دوزخ سے بری فرما دیجئے، دوزخ سے اپنی پناہ دیدیجئے اور جنّت الفردوس

عطاء فرما دیجئے۔ یہ باہر نکلنے کی دعا ہے، عربی میں یاد نہ ہو تو اردو میں بھی مانگی جاسکتی ہے، اور عربی میں یاد کرنا بھی کوئی مشکل نہیں ہے جیسے اردو میں مانگنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ یہ دعا بڑی دھیان سے مانگ لینی چاہئے، بڑی جامع دعا ہے۔

خالی بسم اللہ پڑھنا کم سے کم ہے، اس کو تو ہر مسلمان یاد کر سکتا ہے، لہٰذا بسم اللہ کہہ کر اندر داخل ہوں، یہ کتنا آسان ہے۔ اور باہر نکلنے کے بعد کم سے کم جو چھوٹی دعا حدیث میں آئی ہے وہ "غفرانک" ہے، اے اللہ! میں آپ سے معفرت مانگتا ہوں، وہ پڑھ لیں،

سنّت کے مطابق بیت الخلاء جانا بھی عبادت ہے

ایک روایت جو میں نے کسی کتاب میں تو نہیں دیکھی لیکن حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہے۔ امید ہے حضرت نے کسی کتاب میں دیکھی ہوگی۔ حضرت اکثر اس کی مثال دیا کرتے تھے کہ دیکھو! انسان استنجاء کرنے کے لئے جاتا ہے تو یہ انسان کی ایک طبعی حاجت ہے اور ضرورت ہے، جس کو پورا کرنے کے لئے جانا ناگزیر ہے، لیکن ایک اپنی مرضی سے آدمی بیت الخلاء جاتا ہے اور اپنی مرضی سے فارغ ہوکر آجاتا ہے، تو اس میں نہ کوئی ثواب نہ کوئی عذاب۔

فرمایا کہ اگر بیت الخلاء کوئی سنّت کے مطابق جائے کہ سر کو ڈھک کر جائے، پیروں میں چپل پہن کر جائے، اور دعا پڑھ کر جائے اور بایاں پاؤں

اندر رکھے اور جتنا نیچے ہو کر جسم کھول سکے، اتنا نیچے ہو کر جسم کھولے، اس کے بعد جو سنّت طریقہ ہے اس کے مطابق استنجاء کر کے باہر آئے تو پہلے دایاں قدم باہر رکھے اور پھر دعا پڑھے، تو فرماتے تھے کہ جو کوئی اس طرح بیت الخلاء میں جاتا ہے تو جتنی دیر وہ اندر بیٹھا رہتا ہے اتنی دیر ایک فرشتہ دروازے پر کھڑے ہو کر اس کی عبادت کا ثواب لکھتا رہتا ہے۔

اللہ اکبر، اندازہ لگایئے کہ آدمی پیشاب کرنے کے لئے، پاخانہ کرنے کے لئے گیا ہے لیکن اس کے لئے عبادت کرنے کا ثواب لکھا جا رہا ہے، کیونکہ وہ سنّت کے مطابق گیا ہے۔ تو سنّت کے مطابق استنجاء بھی کرے تو وہ باعث اجر ہے، وضوء سنّت کے مطابق کرے تو وہ بھی باعث مغفرت ہے، غسل سنّت کے مطابق کرے تو وہ بھی گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اصل چیز اتباع ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، اتباع کی برکت سے یہ سب عبادت بن گئے۔

ایک بزرگ کی پیاری بات

ایک بزرگ کی بڑی پیاری بات یاد آئی، انہوں نے فرمایا کہ تم اس دنیا میں خدا چاہی کر لو، قیامت کے دن جنّت میں مَن چاہی کر لینا۔ سبحان اللہ! یعنی تم یہاں اللہ تعالیٰ کا کہا مان لو، جنّت میں اللہ تعالیٰ تمہارا کہا مان لیں گے، جو تم کہو گے وہ اللہ تعالیٰ تم کو عطاء فرمائیں گے۔ اور وہ مدّت (جنّت کی) بہت لمبی ہے اور یہ مدّت (دنیا کی) بہت چھوٹی ہے، اس چھوٹی سی مدت

میں خدا چاہی کرنا زیادہ مشکل نہیں، اس کے بدلے میں ابد الآباد تک ثمن چاہی کا موقع مل رہا ہو تو اس کو کر ہی لینا چاہئے، سودا بہت سستا ہے بشر طیکہ کوئی قبول کرے۔ اللہ پاک ہمیں نصیب فرمادیں اور توفیق عطاء فرما دیں۔ آمین۔

ناقص وضوء سے نماز میں نقصان

اگر ہمارا وضوء سنّت کے مطابق ہو جائے، اور ہمارا غسل سنّت کے مطابق ہو جائے، تو اس سے نماز کے اندر بھی کمال آئے گا، اس لئے کہ نماز میں جو نقصان آتا ہے وہ بعض دفعہ وضوء کے نقصان کی وجہ سے آتا ہے، چنانچہ بعض حدیثوں میں ذکر ہے کہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو ہو گیا، تو آپ ﷺ نے اسی طرف متنبہ فرمایا کہ بھئی! لوگ وضوء اہتمام سے کر کے نہیں آتے، جس کی وجہ سے بعض مرتبہ امام کو بھی سہو ہو جاتا ہے۔ تو ہمارے وضوء اور طہارت کے کمال کا نماز کے کمال کے ساتھ خصوصی تعلق ہے ہماری نماز میں جو نقصان ہے وہ اس وجہ سے بھی ہے کہ ہمارے وضوء اور غسل میں نقصان ہے اور اس میں کمی ہے۔ وضوء اور غسل ہمارے سنّت کے مطابق کامل ہو جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر نماز بھی کامل ہو جائے گی۔

نماز کیسے کامل ہو؟

اور نماز کیسے کامل ہو؟ اس کا طریقہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے۔ اس کتاب کا نام ہے "نمازیں سنّت کے مطابق ادا کیجئے" یہ کتابچہ عام ملتا ہے، اس سے ہم اور آپ اپنی نمازیں بھی تکبیر اولیٰ سے لے کر سلام پھیرنے تک مکمل کر سکتے ہیں، اور وضوء اور غسل کا طریقہ اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

لہٰذا اس کے مطابق آج سے عہد کر لیں کہ ہم جب وضوء کریں گے یا غسل کریں گے تو انشاء اللہ سنّت کے مطابق کریں گے، اور ہمیشہ مرتے دم تک اس کے مطابق عمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطاء فرمائے۔ آمین۔ اب کچھ تیمّم کے بارے میں عرض ہے۔

تیمّم کا بیان

ہر وقت باوضوء رہنا افضل ہے

تیمّم کی ایک خاص بات پہلے سمجھ لیں، کہ ویسے تو اعلیٰ اور افضل یہی ہے کہ آدمی ہر وقت باوضوء رہے، یعنی جہاں تک ہو سکے باوضوء رہے۔ صرف نماز کے اوقات ہی میں وضوء نہ ہو بلکہ نماز کے علاوہ بھی جہاں تک

ہو سکے باوضوء رہے۔ اس کی بڑی فضیلت ہے۔

باتیمّم رہنا بھی سنّت ہے

لیکن اگر کسی کو ہر وقت باوضوء رہنا مشکل ہو تو تیمم سے رہنا بھی درست ہے۔ حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقالات حکمت میں تحریر فرمایا ہے کہ تیمّم سے رہنا بھی سنّت ہے۔ بس اتنی بات ہے کہ اس تیمّم سے ہم نماز نہیں پڑھ سکتے، اس تیمم سے ہم قرآن شریف کو چھو نہیں سکتے، طواف نہیں کرسکتے، کیونکہ یہ تیمّم ان شرائط کے مطابق نہیں ہے جس کے اندر ان کو کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ بہرحال تیمّم سے رہنا بھی پاک رہنے کے حکم میں ہے، جیسے وضوء سے آدمی پاک ہوتا ہے، تیمّم سے بھی پاک ہوتا ہے اور اس میں بھی ثواب ملتا ہے، اس لئے کہ یہ بھی سنّت ہے، اور وضوء وغیرہ کی جگہ کے علاوہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تیمّم کرنا ثابت ہے۔ تو یہ بہت آسانی ہوگئی، خاص طور سے سردیوں میں یا ویسے بھی گرمیوں میں اگر کسی آدمی کو سوتے وقت وضوء کرنے کی ہمّت نہ ہو تو تیمّم کرنا بہت آسان ہے، استنجاء سے فارغ ہوتے ہی تیمّم کرکے آدمی آرام سے سوسکتا ہے، ایسے ہی دن میں بھی اگر وضوء کرنا اس کے لئے مشکل ہے تو تیمّم کرکے رہنا کچھ مشکل نہیں۔ بہرحال تیمّم کرنے میں ہمارے لئے کتنی آسانی ہے۔

بیمار آدمی تیمّم کر کے نماز پڑھے

اور جب کسی شخص کے لئے پانی استعمال کرنے کی قدرت نہ ہو، مثلاً بیماری کی وجہ سے یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے، تو اس صورت میں تیمّم کرنا جائز ہوتا ہے، اس وقت وضوء کے بجائے تیمّم کر لینا چاہئے اور پھر اس سے نماز پڑھنی چاہئے۔

تیمّم بھی وضوء کی طرح پاکی کا ذریعہ ہے

اس میں ایک بڑی کوتاہی ہمارے اندر یہ پائی جاتی ہے کہ اچھے خاصے نمازی جب بیمار ہو جاتے ہیں اور بیماری کے اندر ڈاکٹر صاحبان ان کو پانی استعمال کرنے سے منع کر دیتے ہیں تو وہ بیچارے تیمّم کر کے نماز نہیں پڑھتے، اگر ان سے کوئی کہے تو کہتے ہیں کہ ہمارا دل نہیں مانتا، ارے! تم دل کو دیکھ رہے ہو یا اللہ کے حکم کو دیکھ رہے ہو؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس میں دل کا کیا دیکھنا، یہاں تو اللہ کا حکم دیکھنا ہے، اسی کے حکم سے پانی ہمارے لئے پاکی کا ذریعہ بنا ہے، اسی کے حکم سے مٹی ہمارے لئے پاکی کا ذریعہ ہے، جب ان کا حکم ہے تو دونوں ہمارے لئے برابر ہیں۔ لہٰذا تیمّم کر کے دل اسی طرح مطمئن اور خوش ہونا چاہئے جیسے پانی سے وضوء کرنے کے بعد ہوتا ہے، اس کا نام ہے بندگی اور عبدیت، اور اسی کا نام ہے حکم ماننا۔

لہٰذا جب ان کا حکم ہے کہ اب تیمّم کرو، تو تیمّم ہمارے لئے ایسا ہی

ہونا چاہئے جیسے وضوء، اور جب ان کا حکم ہو کہ وضوء کرو تو وضوء کرنا چاہئے، تیمّم جو اس کے قائم مقام ہے اب اس کی ضرورت نہیں۔ تو بیماری ہو یا کسی اور وجہ سے، پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو ایسی صورت میں بلا تردد تیمّم کر لینا چاہئے۔

تیمّم کرنا کن چیزوں پر جائز ہے

تیمّم مٹی پر یا زمین پر یا زمین کی جنس سے جو جو چیزیں ہیں، ان سب پر جائز ہے، چاہے وہ سنگ مرمر ہو، چاہے چپس کا فرش ہو، چاہے ٹائل ہو، اور چاہے بلاک اور اینٹ ہو، کچی ہو یا پکی ہو۔ جو چیزیں آگ میں نہیں جلتیں وہ سب زمین کی جنس سے ہیں، ان سب پر تیمّم کرنا جائز ہے۔ مٹی ہی پر یا جس چیز پر مٹی ہو صرف اُسی پر تیمّم کرنا ضروری نہیں، سنگ مرمر پر بھی تیمّم ہو سکتا ہے، چاہے اس پر پالش بھی ہو چکی ہو، البتہ پینٹ والی چیز پر نہیں ہو سکتا، یا جس پر ڈسٹمپر کیا ہوا ہو، چاہے وہ دیوار ہو یا چاہے وہ کوئی اور چیز ہو، اس پر تیمّم نہیں ہو سکتا، ہاں جس پر چونا کیا ہوا ہو اس پر تیمّم ہو سکتا ہے۔

تیمّم کرنے کا صحیح طریقہ

تیمّم کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تیمّم کی نیت کریں، بلکہ تیمّم میں تو نیت کرنا ضروری ہے کہ یا اللہ! میں آپ کی رضاء کے لئے

تیمّم کرتا ہوں۔ اس کے بعد بسم اللہ پڑھیں۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ مٹی یا پتھر وغیرہ پر ماریں، اگر ہاتھوں پر مٹی لگ جائے تو دونوں انگوٹھوں کو آپس میں مار کر ہاتھوں کو جھاڑلیں، دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں ملاکر نہ جھاڑیں ورنہ ساری مٹی صاف ہو جائے گی، اور اگر صاف پتھر وغیرہ پر ہاتھ مارنے کی وجہ سے ہاتھوں پر مٹی نہ لگے تو پھر جھاڑنے کی ضرورت نہیں، صرف ہاتھ مارلیں۔

اس کے بعد سب سے پہلے اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ اس طرح پھیریں کہ بال برابر جگہ بھی ایسی نہ رہے جس پر ہاتھ نہ پھرا ہو، جیسے وضوء کے اندر اگر بال برابر جگہ سوکھی رہ جائے گی تو وضوء نہیں ہوگا، تیمّم میں بھی اگر بال برابر جگہ ایسی رہ گئی جہاں ہاتھ نہ پھیرا ہو تو تیمّم نہیں ہوگا۔ اس لئے خوب اچھی طریقے سے چہرے پر ہاتھ پھیرنے چاہئیں۔ اور تیمّم میں ڈاڑھی کے اندر خلال کرنا مستحب ہے۔ بس یہ ایک دفعہ چہرے کے لئے ہاتھ مارنا ہوگیا۔

پھر دوبارہ مٹی یا پتھر پر ہاتھ ماریں، اور پہلے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر اور پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر پھیریں، اور اچھی طرح کہنیوں تک ہاتھ پھیریں، اور انگلیوں کے اندر بھی ہاتھ پھریں، تاکہ کوئی جگہ پھیرنے سے رہ نہ جائے۔

تیمّم میں صرف دو مرتبہ ہاتھ مٹی وغیرہ پر مارتے ہیں، پھر اس کو ایک مرتبہ چہرے پر پھیرتے ہیں اور دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں پر کہنیوں

سمیت پھیرتے ہیں، پاؤں پر ہاتھ نہیں پھیرتے اور نہ اس میں سر کا مسح ہوتا ہے، اور مٹی سے کلّی وغیرہ بھی نہیں ہوتی، ایک شخص نے مجھے بتایا کہ ہم نے ایک شخص کو تیمّم ایسا کرایا تھا کہ مٹی سے اس کی کلّی بھی کروائی تھی، تو اس تیمّم کرنے والے نے کہا کہ بھئی! یہ تو بڑا مشکل تیمّم ہے، میں تو نہیں کر سکتا۔ تو یہ کسی جاہل آدمی نے ایسی حرکت کی ہوگی، اس بیچارے نے تیمّم کا طریقہ نہیں سمجھا، وہ سمجھا ہوگا کہ تیمّم بھی وضوء کی طرح ہوتا ہوگا، جس طرح اس میں پانی سے کلّی ہوتی ہے، اس میں مٹی سے کلّی ہوتی ہوگی۔ یہ تو جہالت کی بات ہے، اللہ بچائے۔

اسی طرح غسل میں پانی استعمال کرنے کی قدرت نہ ہو تو تیمّم غسل کی جگہ بھی ہوتا ہے۔ بہرحال اس وقت تینوں باتیں پوری طرح بیان ہو گئیں، اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائیں، نافع فرمائیں اور اپنے فضل و کرم سے ہم کو باطہارت رہنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ہمارے دینی مدارس

کا بنیادی مقصد

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ہمارے دینی مدارس کا بنیادی مقصد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ

رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ۔

(سورۃ الجمعۃ، آیت ۲)

محترم علماء کرام و اساتذہ کرام، عزیز طلباء و طالبات اور میرے قابل احترام بزرگو!! اس وقت اس جدید خوبصورت، باسلیقہ اور عظیم دینی درسگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہونے پر میرا دل بہت خوش ہوا، دل سے دعا ہے اللہ جلّ شانہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کو، جو ہمارے اکابر میں سے ہیں اور ہمارے اکابر کی نشانی ہیں، جلد صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ دائمہ عطا فرمائے اور ہمیں بھی عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ان کے فیوض و برکات کو اور زیادہ سے زیادہ عام، تام اور مقبول فرمائے اور ان کے صدقہ جاریہ کو اپنے فضل سے شرفِ قبول عطا فرمائے اور ہمیشہ اسے قائم رکھے، اور یہاں سے جو علماء اور طلباء فارغ ہوں اللہ تعالیٰ انہیں بھی اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے، تاکہ اس پاور ہاؤس سے جہاں بھی یہ علمی بلب پہنچیں، ہمیشہ روشن رہیں اور یہاں سے پڑھنے والے اور فارغ ہونے والے صرف اور صرف عالم ہی نہ ہوں بلکہ عالم ہونے سے بڑھ کر باعمل بھی ہوں۔ آمین۔

دینی مدارس کا مقصد

اس بات کو ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ ہمارے ان مدارس کا بنیادی مقصد صرف درسِ نظامی پڑھنا اور پڑھانا نہیں بلکہ اس درس نظامی کے مطابق باعمل بنانا بھی ہے۔ دارالعلوم دیوبند جس کی طرف ہم اپنی نسبت کرتے ہیں اور اس نسبت کو ہم اپنے لئے بہت قابلِ قدر اور قابلِ شرف سمجھتے ہیں، اس دارالعلوم کی خصوصیات تو بہت ہیں مگر ان میں سے جو بنیادی خصوصیات ہیں وہ دو ہیں۔

﴿۱﴾ اللہ والا پیدا کرنا، یہ اصل مقصد ہے۔

﴿۲﴾ علومِ شرعیہ کا ماہر بنانا۔ یہ دوسرا مقصد ہے، اس کے نمبر دو پر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علومِ شرعیہ کا ماہر ہونا دراصل ذریعہ ہے، جیسے وضو، نماز کا ذریعہ ہے، لہٰذا باعمل ہونا یہ مقصود ہے، اس کو یوں سمجھیں جیسے نماز کہ جس طرح نماز جو اصل مقصود ہے، یہ وضو کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی، اسی طرح باعمل ہونا یہ اصل مقصد ہے اور یہ علم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، لہٰذا معلوم ہوگیا کہ باعمل بننے کے لئے باعلم ہونا ضروری ہے۔

ہندوستان میں مکتبِ فکر

دارالعلوم دیوبند قائم ہونے سے پہلے ہندوستان میں دو طرح کے

مکتبِ فکر پائے جاتے تھے اور اسی کے مطابق وہاں کچھ مدارس قائم تھے۔ ایک طرف یہ مقصد تھا کہ علومِ نقلیہ اور عقلیہ کو پڑھا اور پڑھایا جائے جسمیں علومِ عقلیہ غالب اور علومِ نقلیہ مغلوب تھے، جبکہ دوسری طرف خانقاہوں کا سلسلہ تھا، خانقاہوں کے اندر صرف اصلاح و تربیت اور تزکیے کی طرف توجہ دی جاتی تھی، علم کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں تھی۔ یہ دو سلسلے ہندوستان میں قائم تھے اور دونوں افراط و تفریط کا شکار تھے، وہاں علم برائے علم رہ گیا اور خانقاہوں میں طریقت کے نام پر نہ جانے کتنی خلافِ شرع باتیں رائج ہوگئیں، بلکہ دین کے نام پر بے دینی عام ہوگئی، غیر مقصود کو مقصود بنالیا گیا۔ اس طرح دونوں ہی مکتب فکر غلطی پر تھے اور دونوں ہی کی اصلاح کی ضرورت تھی، علوم شرعیہ کی بھی ضرورت تھی اور علوم شرعیہ کے مطابق عمل پیرا ہونے کی بھی ضرورت تھی جس کو طریقت کہتے ہیں۔ ان دونوں مقاصد کے ساتھ ایک فکر اور تھی، وہ یہ کہ ہندوستان پر انگریز قابض ہوچکا تھا جو مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا، اور آج تک اس کی دشمنی مثل آفتاب کے ہمارے سامنے ہے، پہلے تو اس کا مقابلہ کیا گیا اور ہمارے اکابر باقاعدہ اس کے خلاف جہاد کے لئے میدان میں اترے اور شاملی کے میدان تک باقاعدہ دوبدو جنگ ہوئی اور تھانہ بھون سے لے کر شاملی تک کا تمام علاقہ ہمارے اکابر نے فتح کیا اور اس میں اسلامی نظام نافذ کیا، لیکن شاملی کے میدان میں جاکر یہ جہاد ناکام ہوگیا اور اب مقابلے کی یہ صورت ختم ہوگئی اور دفاع کی صورت سامنے آگئی، کیونکہ جب مقابلہ نہ ہوسکے تو پھر اپنا

دفاع کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس دفاع میں اپنے دین کی حفاظت سب سے پہلے ہے۔

علومِ شرعیہ کی حفاظت

لہٰذا اب یہ فکر ہوئی کہ ہمارے پاس قرآن و حدیث اور دیگر علوم ہیں، اور صدیوں سے ہم انہیں پڑھتے پڑھاتے چلے آرہے ہیں، اب ہم مغلوب ہوگئے ہیں تو انگریز ان سب کو ختم کردے گا، لہٰذا اب ان کی حفاظت ضروری ہے، اور ان کی حفاظت کی ایک ہی صورت ہوسکتی ہے کہ اب فوراً دینی مدارس قائم کئے جائیں اور دنیا سے بالکل منہ موڑ کر، حکومت اور مالداروں سے بالکل رخ پھیر کر، فقر و فاقے کو اپنے سر کا تاج بنا کر، اللہ کی رضا اور اس کے دین کی حفاظت کے لئے اور علومِ شرعیہ اور دین کو اپنی اصلی حالت میں محفوظ کرکے آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لئے مدرسے قائم کئے جائیں، اس لئے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کی بنیاد رکھی گئی، چنانچہ ہمارے یہ اکابر یکسوئی سے علومِ شرعیہ پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوگئے اور اس افراط و تفریط کو جو اس زمانے کے مدرسوں اور خانقاہوں میں تھی، اس کو دور کیا اور ایسا دارالعلوم قائم فرمایا جو ایک طرف تو دینی علوم کی درسگاہ تھی اور دوسری طرف خانقاہ، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی جو اصل اور قدیم مسجد ہے، اس میں دارالعلوم کی سنگ بنیاد کی تاریخ جن الفاظ سے نکلتی ہے وہ آج بھی وہاں کندہ ہیں، وہ الفاظ یہ ہیں:

"در مدرسہ خانقاہ دیدیم"

ہم نے مدرسے میں خانقاہ دیکھی، دن کو یہ مدرسہ ہے اور رات کو خانقاہ ہے، دن کو اس کی درسگاہوں سے قال اللہ اور قال الرسول کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور رات کو ہچکیوں، رونے، اللہ اللہ کرنے اور والہانہ دعاؤں کی آوازیں اور صدائیں بلند ہوتی ہیں، اور یہ سماں بھی ہوتا ہے کہ کوئی مطالعہ کر رہا ہے، کوئی یاد کر رہا ہے، کوئی دعا کر رہا ہے، کوئی ذکر کر رہا ہے، کوئی تلاوت کر رہا ہے، کوئی تہجد پڑھ رہا ہے۔

راہِ اعتدال

بہر حال ہمارے اکابر نے علم اور عمل کے دونوں چراغ روشن کئے اور دونوں کے اندر اعتدال پیدا کیا جو سب سے کٹھن کام ہے، اعتدال نام ہے صراطِ مستقیم کا اور صراطِ مستقیم ہی جنت میں جانے کا راستہ ہے۔ یہ اعتدال ہمارے اکابر علماءِ دیوبند اور مشائخ دیوبند کا طرّۂ امتیاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا معتدل مزاج بنایا کہ ایسا اعتدال اور کہیں نظر نہیں آتا، علم کے اندر بھی یہ لوگ پہاڑ کی طرح بلند تھے اور عمل میں بھی اپنی مثال آپ تھے، ان اکابر کے عمل کے بارے میں کسی نے بہت ہی خوبصورت بات فرمائی ہے کہ "یہ صحابی تو نہ تھے لیکن صحابی کا نمونہ تھے۔"

ہمارے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم کراچی فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد ماجد حضرت

مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جس میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور صدر مدرّس سے لے کر دربان، چوکیدار اور چپڑاسی تک سب ولی کامل تھے۔

حضرت گنگوہیؒ کی شان

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت اپنے زمانے کے ابو حنیفہ کہلاتے تھے۔ "ابو حنیفۂ وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ" یہ حضرت کا لقب ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ میں ان کی وہی شان جھلکتی ہے جو ایک عظیم الشّان فقیہ کی ہوتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھ کو قرآن و حدیث میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ایسا نظر آتا ہے جیسے آسمان میں چودھویں رات کا چاند نظر آتا ہے، تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک جو اتنا واضح اور روشن نظر آتا تھا تو یہ گہرے علم کے بعد ہی نظر آتا ہے، یعنی جو صحیح معنوں میں عالم ہوگا وہ ہی اس کی روح تک پہنچے گا، جس کے پاس علم ہی نہ ہو تو اس کو کیا نظر آئے گا، اس کے لئے تو چاند ایسا ہو جائے گا جیسے وہ مہینے کی آخری راتوں میں ہوا کرتا ہے کہ خوب تلاش کرنے کے بعد بھی دیکھو تو نظر نہ آئے، دنیاوی چاند کو دیکھنے کے لئے تو یہ ظاہری آنکھیں چاہئیں اور حنفی مذہب کو قرآن و حدیث میں دیکھنے کے لئے علمی آنکھیں چاہئیں۔

حضرت نانوتویؒ کی شان

دوسرے بزرگ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے علم و فضل کا کیا ٹھکانہ، ان کی اردو میں لکھی ہوئی کتابیں آج بھی موجود ہیں، مثلاً "آبِ حیات" حضرت کی اردو میں لکھی ہوئی مایہ ناز تصنیف ہے جو پڑھنے کے لائق ہے، لیکن حضرت نانوتویؒ کی اردو میں لکھی ہوئی کتابیں ایسی ہیں کہ بے چارے عوام اور عام عالم تو انہیں کیا سمجھیں گے، چوٹی کے علماء کا ذہن بھی کچھ دور جاکر غائب ہو جاتا ہے کہ اب حضرت کیا فرما رہے ہیں؟ ان کی یہ کتابیں ہیں تو اردو میں مگر ان کے اندر بڑا گہرا علم ہے اور منطق و فلسفہ کی اصطلاحات کا ایسا بے تکلف استعمال ہے جن کا ہمارے ہاں استعمال اور استحضار زیادہ معروف نہیں اور وہاں ان کی عادتِ ثانیہ ہے، وہ بے تکلف ان کے مطابق اردو میں کلام فرما رہے ہیں۔ بہرحال آج کے بڑے بڑے عالم بھی ان کو زیادہ نہیں سمجھ سکتے۔

حضرت کی ایک عجیب و غریب شان یہ بھی تھی کہ جب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے تھے تو بیان کرتے کرتے درمیان میں کچھ ٹھہر جاتے تھے اور چند سیکنڈ وقفہ کرنے کے بعد پھر دوبارہ بیان شروع فرماتے تھے، تو کسی نے پوچھا حضرت! کیا بات ہے آپ مسلسل بیان نہیں فرماتے، دورانِ بیان آپ بار بار وقفہ فرماتے ہیں، کیا درمیان میں مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے یا بھول ہو جاتی ہے؟ حضرت نے

فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ جب میں کوئی بات لوگوں کو بتلانا چاہتا ہوں اور سمجھانا چاہتا ہوں تو عین اس وقت میرے ذہن میں اس بات کو سمجھانے کے بیس بیس عنوانات آجاتے ہیں کہ اِس بات کو میں اس طرح بھی دلنشین کر سکتا ہوں، اِس طرح بھی سمجھا سکتا ہوں، اِس طرح بھی بتا سکتا ہوں، اس وقت میں سوچنے لگتا ہوں کہ اِن میں سے کونسا عنوان اختیار کروں اور کونسا انداز اپناؤں جو لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ نافع اور مفید ہو، اس لئے مجھے درمیان میں وقفہ کرنا پڑتا ہے اور ان عنوانات میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے جو منجانب اللہ میرے ذہن میں آتے ہیں۔ تو بھائی! یہ علم کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی علامت ہے۔

براہِ راست فیضان علمی

ان لوگوں کا چونکہ سرچشمہ علوم یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے تعلق تھا، اس لئے کتابوں سے ہٹ کر علم براہِ راست ان کے دِل پر وارد ہوتا تھا، جیسا کہ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

بینی اندر خود علومِ انبیاءؑ
بے کتاب و بے معید و اوستا

یعنی جب تمہارا اللہ جلّ شانہ سے صحیح تعلق قائم ہو جائے گا تو پھر تم اپنے دل کے اندر پیغمبرانہ علوم کا مشاہدہ بغیر کسی استاد و کتاب کے کرو گے، اس لئے کہ استاد اور کتاب کی مدد تو بس ایک حد تک ہے، اس کے بعد پھر وہ

واسطہ ہٹ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے واسطہ قائم ہو جاتا ہے جو کہ سر چشمہ علوم ہیں، جب ان سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو پھر درمیان کے تمام رابطے اور واسطے ختم ہو جاتے ہیں اور پھر براہِ راست منجانب اللہ جو علوم اِلقاء ہوتے ہیں ان کی کوئی انتہاء نہیں۔

عِلم و عمل کے جامع

ہمارے تمام اکابر علماءِ دیوبندؒ کی یہی شان تھی کہ ایک طرف تو ہر ایک علم کے اندر اپنے اپنے وقت کا امام تھا، دوسری طرف عمل میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا، طریقت کی اعلیٰ منزلیں ان حضرات نے طے کیں، اور طریقت کی وہ منزل جو مشکل سے سر ہوتی ہے یہ اکابر اُس کی انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے اور وہ منزل تواضع کی ہے۔ تواضع طریقت کی وہ منزل ہے جو مشکل سے حاصل ہوتی ہے اور سب سے آخر میں آدمی اس پر فائز ہوتا ہے، ورنہ جس طرح علم کی وجہ سے بعض مرتبہ انسان کے اندر غرور اور بڑائی پیدا ہو جاتی ہے، اللہ بچائے اسی طرح اگر سالک طریقت میں شیخ کامل سے صحیح رہنمائی حاصل نہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو بعض مرتبہ وہ اس راستے میں قدم رکھ کر بھی تکبر میں مبتلا رہتا ہے، اور جوں جوں وہ آگے بڑھتا ہے بڑائی کا خناس اس کے دماغ میں گھستا چلا جاتا ہے اور وہ اپنے کو بزرگ، اللہ والا اور عابد و زاہد سمجھنے لگتا ہے۔ بہر حال اگر کسی کو اس راستے میں تواضع نہ ملی تو سمجھ لیں وہ بالکل کورا اور محروم ہے، اس کو کچھ نہیں ملا۔

اس راہ میں پہلا قدم بھی تواضع ہے اور آخری قدم بھی تواضع ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں۔

اللہ پاک نے ہمارے اِن اکابر کو باوجود علم و فضل کا بحرِ بے کراں ہونے کے تواضع میں بھی ایسا بے مثال بنایا تھا کہ انشاء اللہ ان کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ ان جیسی مثال نہیں لاسکتا۔ جس طرح علم و فضل کے اندر یہ اپنی مثال آپ ہیں، طریقت و تواضع اور مقامِ فناء الفناء پر فائز ہونے میں بھی یہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ان حضرات نے اپنے اندر شریعت و طریقت دونوں کو جمع کیا ہے اور یہی ہمارے اِن دینی مدارس کا بنیادی مقصد ہے، اس مقصد کو ہمیں ذہن نشین کرنا چاہئے اور اسی کی طرف ہمیں قدم بڑھانا چاہئے، اگر اس راستے پر چلیں گے تو ہم علماءِ دیوبند کی طرف نسبت کرانے میں حق بجانب ہوں گے اور اگر خدانخواستہ ہم علم تو حاصل کر رہے ہیں لیکن ہماری اصلاح نہیں ہو رہی، تربیت و تزکیہ نہیں ہو رہا، اخلاق نہیں سدھر رہے، علم ہمارے عمل میں نہیں آرہا تو ہم اصل مقصود سے ہٹتے چلے جارہے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کی تواضع

ہمارے اِن حضرات میں سے ہر ایک کے تواضع کے اتنے واقعات ہیں کہ ان کے سننے اور سنانے کے لئے گھنٹوں چاہئیں۔ ایک واقعہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا عرض کرتا ہوں جو اس وقت میرے ذہن میں ہے۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ہندوستان میں علم و فضل کا ڈنکا بج رہا تھا، ہندوستان میں آپ کی شہرت تھی، ہر آدمی آپ سے متاثر اور آپ کا نام لیوا تھا، اجمیر کی طرف وہ علماء زیادہ رہتے تھے جو علومِ عقلیہ کو زیادہ اہمیت دیتے تھے، اور طریقت سے ان کا کوئی خاص لگاؤ نہ تھا، اِن علماء کرام تک بھی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت پہنچی، وہاں کے علماء میں حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، انہوں نے جب یہ شہرہ سنا کہ دارالعلوم دیوبند کے اندر ایک ہستی ہے جس کو شیخ الہند کہا جاتا ہے اور ان کا بڑا چرچا ہے، تو سوچا کہ کبھی ان کی زیارت کرنی چاہئے، لہٰذا انہوں نے حضرت شیخ کی زیارت کا ارادہ کیا، چنانچہ ایک مرتبہ انہیں اجمیر سے دیوبند کی طرف آنا تھا اور وہاں سے آگے جانا تھا، انہوں نے یہ پروگرام بنایا کہ پہلے دیوبند اتریں اور دو چار گھنٹے حضرت شیخ الہند کے یہاں گزار کر اور اُن کی زیارت و ملاقات کر کے پھر آگے چلے جائیں، چنانچہ یہ ارادہ کر کے وہ اجمیر سے چلے، پہلی مرتبہ دیوبند کے اسٹیشن پر پہنچے، گاڑی سے اتر کر تانگے میں بیٹھے اور تانگے والے سے کہا کہ مجھے حضرت شیخ الہند سے ملنا ہے، ان کے پاس لے چلیں، چونکہ حضرت شیخ الہند دیوبند میں حضرت شیخ الہند کے لقب سے مشہور نہیں تھے، بلکہ دیوبند میں بڑے مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے اور شیخ الہند کے لقب سے دوسری جگہ مشہور تھے، اس لئے تانگے والے نے کہا کہ مجھے حضرت شیخ الہند کا تو معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟ ہاں بڑے مولوی

صاحب کا گھر جانتا ہوں، مولانا معین الدین صاحب نے کہا کہ مجھے انہیں کے پاس پہنچادو! گرمی کا زمانہ تھا، دوپہر کا وقت تھا، ٹانگے والے نے بڑے مولوی صاحب کے گھر کے دروازے پر ٹانگہ ٹھہرادیا۔

مولانا معین الدین صاحب وہاں اتر گئے، انہوں نے جاکر دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک صاحب باہر نکلے جنہوں نے ناف کے اوپر تہبند باندھا ہوا تھا اور نیچے کا حصہ ٹخنوں سے اوپر تھا، باقی جسم پر نہ بنیان نہ ٹوپی اور نہ ہی کوئی دوسرا کپڑا تھا، چونکہ گرمی کا زمانہ تھا اس لئے وہ صاحب اسی لباس میں باہر تشریف لے آئے۔ مولوی معین الدین صاحب نے ان سے کہا کہ میں حضرت شیخ الہند سے ملنے آیا ہوں، میری ان سے ملاقات کرا دیجئے، ان صاحب نے کہا کہ ہاں میں ابھی ملاقات کراتا ہوں، آپ اندر بیٹھک میں تشریف رکھیں، انہوں نے اندر جاکر بیٹھک کھولدی اور انہیں چارپائی پر بٹھاکر خود اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد ٹھنڈا شربت لاکر انہیں پلایا انہوں نے پانی پیا اور کہا کہ میں اجمیر سے آیا ہوں، حضرت شیخ الہند سے مجھے ملاقات کر کے اگلی گاڑی سے آگے جانا ہے، میں عجلت میں ہوں اس لئے آپ جلد از جلد میری حضرت سے ملاقات کرادیں، انہوں نے کہا کہ انشاء اللہ ابھی ملاقات ہو جائے گی، گرمی کا وقت ہے، آپ بے فکر ہو کر آرام کریں، پانی پلاکر وہ اندر گئے اور تھوڑی ہی دیر میں کھانا لے کر آ گئے اور انہیں کھانا کھلایا، وہ درمیان میں بار بار تقاضا کرتے رہے کہ شیخ الہند کو جلدی بلاؤ تاکہ میں ان سے مل لوں اور ان کے انتظار میں مجھے مزید دیر نہ

لگے، انہوں نے کہا کہ اجی آپ کھانا تو کھایئے! ابھی ملاقات ہو جائے گی، کھانا کھلانے کے بعد انہوں نے مولانا معین الدین صاحب سے فرمایا کہ اب ایسا ہے کہ گرمی کا وقت ہے آپ لیٹ جائیں اور آرام فرمائیں، اور خود پنکھا لے کر جھلنے لگے، کیونکہ وہ مہمان تھے اور مہمان کا اکرام کرنا ضروری ہے، اب تو مولانا معین الدین صاحب کو غصہ آگیا اور غصے میں ہی ان سے کہا کہ میں تمہیں کافی دیر سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت شیخ الہند سے ملاقات کراؤ، تم کبھی پانی پلا رہے ہو، کبھی کھانا کھلا رہے ہو، اور اب کہہ رہے ہو کہ لیٹ جاؤ، میں یہاں رہنے کے لئے آیا ہوں یا ملنے کے لئے آیا ہوں، میں اتنی دیر سے کہہ رہا ہوں، کیوں میری ملاقات نہیں کراتے ہو؟

اس وقت حضرت نے فرمایا کہ بھئی! شیخ الہند تو یہاں کوئی نہیں ہے، بندۂ محمود مجھے ہی کہا جاتا ہے۔ اللہ اکبر! بس یہ سننا تھا کہ ایسا لگا جیسے ان پر بجلی گر گئی ہو، کہنے لگے: آپ شیخ الہند ہیں؟ اور فرمایا حضرت! جیسا سنا تھا آپ کو اس سے بالا پایا، آپ نے اس قدر اپنے آپ کو مٹایا ہوا ہے کہ میں سمجھا یہ گھر کا کوئی نوکر اور خادم ہے، نہ جبہ ہے نہ قبہ ہے نہ عمامہ اور نہ کوئی شان و شوکت، کسی پہلو سے میں سمجھ ہی نہ سکا کہ آپ کو شیخ الہند کہتے ہیں، آپ کے معاملات دیکھ کر میں سمجھا کہ گھر کا کوئی ملازم ہے، حضرت! یہ کیا غضب ڈھا دیا، آپ نے واللہ جیسا میں نے سمجھا تھا آپ اس سے بھی بالا ہیں۔

یہ حضرت کی ظاہری تواضع تھی، اب باطنی تواضع بھی دیکھ لیں،

لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ تواضع کتابوں سے اور باب التواضع پڑھنے سے نہیں آتی، صحاح ستہ کی کتابیں ہم پڑھتے ہیں اور ان میں باب التواضع بھی پڑھتے ہیں لیکن بعض مرتبہ تواضع کی ہوا بھی نہیں لگتی، اس بارے میں یہ مشہور شعر ہے لیکن معنی خیز ہے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ایک دین ہے اور ایک علم دین ہے، دونوں میں فرق ہے، علم دین کتابوں اور اساتذہ کرام سے آتا ہے، مگر دین یعنی عمل یہ اہل عمل سے اور اہل تقویٰ سے اور اللہ والوں کی صحبت و خدمت سے آتا ہے، تو لیجئے اب آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی تواضع کا بھی حال سن لیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کی باطنی تواضع

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہ کے استاد ہیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "لوگوں نے ان کو شیخ الہندؒ کا لقب دے کر ان کی ناقدری کی ہے، اتنی بڑی ہستی کو اتنا چھوٹا لقب دیا، یہ تو شیخ العالم کہلانے کے لائق تھے نہ کہ شیخ الہند" حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں آنے سے پہلے کانپور کے اندر ایک مدرسہ جامع العلوم میں مدرس تھے، تقریباً چودہ برس حضرتؒ نے وہاں تدریس فرمائی ہے، وہاں یہ حال تھا کہ کانپور کے مقامی

علماء، علماءِ دیوبند کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، ان کی نظروں میں علماءِ دیوبند کی کوئی خاص وقعت نہیں تھی، وہ لوگ علومِ عقلیہ کے ماہر تھے اور علومِ نقلیہ سے کچھ زیادہ تعلق نہ تھا، برائے نام ان کے ہاں قرآن و حدیث کی تعلیم ہوتی تھی، وہ لوگ منطق و فلسفے میں اپنے کو امام سمجھتے تھے، جبکہ علماءِ دیوبند الحمد للہ دونوں کے ماہر تھے، مگر ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ علماء دیوبند معقولات جانتے ہی نہیں، ہم ہی جانتے ہیں اور ہمارا کوئی ثانی نہیں، اور یہ لوگ صرف قرآن و حدیث کے علوم ہی پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ العیاذ باللہ ان کی نظر میں قرآن و حدیث کے علوم جو حقیقی علوم ہیں ان کی وقعت کم تھی اور جو علوم ہی نہیں بلکہ فنون ہیں ان کی وقعت زیادہ تھی، اس لئے یہ حضرات علماء دیوبند کو ذرا کم نظر سے دیکھتے تھے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ چونکہ اندر کے آدمی تھے وہ جانتے تھے کہ ان کو مغالطہ ہو گیا ہے، اگر یہ کبھی ہمارے اکابر میں سے کسی کی تقریر سن لیں تو ان کو پتہ چل جائے کہ یہ علومِ عقلیہ کے کیسے ماہر ہیں بلکہ یہ تو ایسے ماہر ہیں کہ ان کو اُس کی ہوا بھی نہیں لگی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش تھی کہ کبھی کانپور میں جلسہ ہو اور اکابر علماء دیوبند تشریف لائیں، خصوصاً حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائیں اور انہیں کا بیان بھی ہو اور خدا کرے ان کے بیان میں منطق اور فلسفے کے موضوع پر کلام ہو، تو اِن حضرات کو بھی پتہ چلے کہ یہ لوگ صرف منقولات ہی کے نہیں بلکہ معقولات کے بھی زبردست ماہر ہیں۔ حضرت تھانویؒ کی یہ خواہش خدا

خدا کرکے پوری ہونے کو آئی کہ کانپور میں جلسہ دستار بندی وغیرہ کا منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہندؒ کا آنا بھی طے ہوا اور حضرت شیخ الہندؒ تشریف بھی لائے اور حضرت کا بیان بھی شروع ہوا، جب بیان شروع ہوا تو میرا یہ جی چاہنے لگا کہ یا اللہ! حضرت علومِ عقلیہ میں سے کسی علم کے کسی خاص موضوع پر کلام فرمائیں جیسا کہ حضرت کا نہایت ہی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ کلام ہوا کرتا ہے اور اُسی دوران یہ لوگ جو اپنے کو معقولی سمجھتے ہیں آجائیں اور حضرت کی تقریر سنیں تو ان کے دماغ کے تالے کھل جائیں، اللہ کا شکر کہ اللہ نے میری یہ خواہش بھی پوری کر دی کہ حضرت کا بیان کسی اور موضوع پر ہو رہا تھا کہ ہوتے ہوتے اسی موضوع پر چل پڑا، اور حضرت تو جس موضوع پر کلام فرماتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم و فضل کا دریا بہہ رہا ہے، حضرت علومِ عقلیہ پر کلام کرنے لگے، ایسا لگ رہا تھا جیسے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، اور میں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ وہ لوگ ابھی آجائیں تو اچھا ہو، خدا کی شان کہ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ان کی پوری جماعت جلسے میں حضرت کا بیان سننے کے لئے آرہی ہے، میرا دل باغ باغ ہو گیا کہ ان لوگوں کو علماء دیوبند سے جو غلط فہمی ہے وہ دور ہو جائے گی، اور جن کے اعتقاد کمزور ہیں اگر معتقد نہ بھی ہوئے تو نہیں کم از کم اتنا تو پتہ چل جائے گا کہ عقلی علوم ہم ہی نہیں کوئی اور بھی جانتا ہے، اور علماءِ دیوبند صرف منقولات ہی کے نہیں بلکہ معقولات کے بھی امام ہیں۔ اب کیا ہوا کہ جیسے ہی وہ لوگ جلسہ گاہ میں داخل ہوئے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ

علیہ کی ان پر نظر پڑی تو حضرت نے اپنا بیان ختم کر دیا اور وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فرما کر نیچے اتر گئے۔ اب میں حیران رہ گیا کہ یا اللہ! یہی تو وقت تھا بیان کرنے کا اور اسی وقت حضرت نے بیان ختم کر دیا، میری وہ خلش جیسی تھی دل میں ویسی کی ویسی رہ گئی، میں اندر ہی اندر بڑا تڑپا کہ یا اللہ! حضرت نے یہ کیا کیا کہ وہ لوگ آئے تھے اور حضرت کا بیان بھی اُسی موضوع پر ہو رہا تھا کہ اچانک آپ خاموش ہو کر کرسی سے نیچے تشریف لے آئے۔ اس وقت تو بات کرنے کا موقع نہیں تھا کیونکہ سب جلسے میں بیٹھے ہوئے تھے، جب حضرت کے ساتھ تنہائی میں ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ حضرت! اتنے دن کے بعد تو میری آرزو پوری ہونے والی تھی اور بیان کا وقت ابھی آیا تھا جب وہ جلسہ گاہ میں آئے تھے اور عین اُسی وقت آپ نے وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فرما دیا؟ حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے بھی ذہن میں یہ بات آگئی تھی کہ بیان کا وقت یہی ہے اس لئے بیٹھ گیا تھا، کہ اب یہ بیان علم بگھارنے کے لئے ہوگا اللہ کے لئے نہیں ہوگا، ''اللہ اکبر'' اور فرمایا کہ میرے دل میں یہ آیا اب یہ بیان ان کے لئے ہوگا اللہ کے لئے نہیں ہوگا، اس لئے میں نے وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہدیا کہ میں ان کو سنانے آیا تھا یا اللہ کو سنانے آیا تھا؟ میں تو اللہ کی رضا کے لئے بیان کر رہا تھا، جب تک اللہ کی رضا کے لئے ہوا وہ صحیح ہوا جب یہ لوگ آگئے تو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہ رہا تو میں کیسے بیان کرتا۔

یہ اِن حضرات کے دل کا حال ہے، ہمارے تمام علماء دیوبند اسی خلوص کا پیکر تھے، لیکن یہ خلوص صرف باب الاخلاص پڑھنے سے نہیں آتا، یہ اللہ والوں کی صحبت و خدمت سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ تھے ہمارے اکابر علماء دیوبند جنہوں نے علم و عمل دونوں کو جمع کیا، ہمیں بھی دونوں میں ماہر ہونے کی ضرورت ہے، علم کے اندر بھی اور عمل کے اندر بھی۔ اکابر علماء دیوبند کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "گو صحابی تو نہ تھے مگر صحابی کا نمونہ تھے" ایسا ہمیں بھی ہونے کی ضرورت ہے، مگر حال یہ ہے کہ دونوں کے اندر نہایت ہی کمزوری آچکی ہے، بلکہ علم سے جو مقصود ہے یعنی عمل اس میں معاملہ صفر ہے "العیاذ باللہ" اور جب عمل میں صفر ہے تو علم بھی صفر ہو رہا ہے، اس لئے علم کی لائن بھی کمزور سے کمزور تر ہو رہی ہے۔ یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ حضرت کی بات اور حضرت ہی کے ارشادات کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔

بانی دارالعلوم کراچی سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ علیہ فرماتے تھے کہ "اب ہمارے مدرسے بانجھ ہوگئے ہیں" بانجھ اس عورت کو کہتے ہیں جس کے اولاد نہ ہو جبکہ نکاح کا مقصد نیک اولاد حاصل کرنا ہے، ان مدرسوں کا مقصد اولیاء اللہ پیدا کرنا ہے اور بغیر علم کے اللہ والا ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے ہمارے اکابر نے علم و عمل دونوں کو جمع کیا۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کا مقصد

چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دارالعلوم کراچی اس لئے قائم کیا ہے کہ یہاں سے اللہ والے پیدا ہوں، اس لئے نہیں کہ یہاں سے کوئی بہت بڑا محقق پیدا ہو، کیونکہ محقق تو بہت پیدا ہو رہے ہیں اور ہم ایسا محقق پیدا کر بھی نہیں سکتے جیسا دنیا کے اندر یہود و نصاریٰ اور مستشرقین پیدا کر رہے ہیں، وہ لوگ قرآن کریم اور احادیث کی شرحیں لکھ رہے ہیں، لغتیں لکھ رہے ہیں اور ایسی لکھ رہے ہیں کہ شاید ہم بھی نہیں لکھ سکتے مگر پھر بھی وہ کافر کے کافر اور اسلام کے دشمن ہیں۔ اس لئے اصل مقصد یہ نہیں ہے بلکہ اصل مقصد اللہ والا پیدا کرنا ہے کہ وہ عالم بھی ہو اور ساتھ ساتھ باعمل بھی ہو، اب ان مدرسوں سے اللہ والے پیدا ہونا بند ہوگئے ہیں۔

عمل بھی سیکھیں

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ علم و عمل دونوں سگے بھائی ہیں، جس جگہ علم آتا ہے وہ آکر اپنے بھائی عمل کو آواز دیتا ہے، اگر وہاں عمل ہوتا ہے تو علم بھی وہاں ٹھہر جاتا ہے، اگر عمل نہیں ہوتا تو پھر علم بھی وہاں سے چلا جاتا ہے، یعنی علم نافع نہیں رہتا کیونکہ دونوں سگے بھائی ہیں اکٹھے ہی رہیں گے اکیلے نہیں رہ سکتے۔ اس لئے ان مدارس میں اس

بات کی اشد ضرورت ہے، جس طرح ہم یہاں علم پڑھتے پڑھاتے ہیں اس کے ساتھ عمل بھی سیکھیں اور سکھائیں۔ ماشاء اللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے اس کا اہتمام کیا ہوا ہے کہ مدرسہ اور خانقاہ ساتھ ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ اسے کامیاب فرمائیں اور جو مقصود ہے وہ حاصل ہو۔ اسی طرح الحمدللہ ہمارے یہاں دارالعلوم کراچی میں بھی اللہ پاک نے ایسا ہی فضل و کرم فرمایا ہوا ہے کہ وہاں بھی جہاں ایک طرف علم و فضل کی بہاریں ہیں وہاں دوسری طرف خانقاہ کا رنگ بھی الحمدللہ قائم و دائم ہے جو سب بانی دارالعلوم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے۔

علم و عمل کے لئے محنت کی ضرورت ہے

جس طرح علم حاصل کرنے کے لئے وقت، محنت اور مال خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح عمل حاصل کرنے کے لئے بھی ان تینوں چیزوں کی ضرورت ہے۔ یہ ہماری اپنے ساتھ انتہائی درجے کی ناانصافی ہے کہ درسِ نظامی کو پڑھنے کے لئے تو آٹھ سال یا سولہ سال لگاتے ہیں تاکہ یہ علومِ شرعیہ ہمیں حاصل ہوں اور ہم عالم بن جائیں، لیکن باعمل بننے کے لئے آٹھ ماہ یا آٹھ عشرے یا ایک چلّہ بھی نہیں لگاتے، تو بتلاؤ جب علم کے لئے ہم نے سولہ سال یا آٹھ سال قربان کئے اور عمل کے لئے آٹھ مہینے بھی خرچ نہ کئے تو جس طرح محض آٹھ مہینے میں درسِ نظامی نہیں حاصل ہو سکتا تو پھر یہ بات یاد رکھئے کہ عمل بھی ہمارے پاس آٹھ مہینے نہ

لگانے کی صورت میں نہیں آسکتا، اور پھر اس کے بعد ہم یہ کہیں کہ اللہ کی رضا کے لئے پڑھ رہے ہیں اور اعدادیہ سے لے کر دورۂ حدیث تک ہم ہر سال یہی نیت کرتے اور کراتے ہیں کہ اللہ کے لئے پڑھ رہے ہیں، تو بھئی! اللہ کی رضا کے لئے پڑھنے کا مطلب کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کی رضا تو محض پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگی بلکہ پڑھ کر عمل کرنے سے حاصل ہوگی، تو پھر ہم کب تک اپنے آپ کو عمل سے غافل رکھیں گے، کیونکہ عمل کرنے کے لئے ہم نے نہ کوشش کی نہ وقت نکالا نہ محنت کی اور نہ ہی مال خرچ کیا، تو صرف خالی تمنا کرنے سے عمل ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا، یہی تمنا اگر ہم گھر بیٹھ کر علم کے لئے کرتے تو کبھی بھی عالم نہ بنتے۔

یاد رکھئے! آٹھ سال اس طریقے سے لگانے کے بعد اگر عمل کے بارے میں یہی آرزو رہی تو پھر آٹھ کو دس سے ضرب دے کر اسّی ۸۰ سال بھی ہو جائیں تو بھی عمل کی حالت صفر ہی رہے گی، کیونکہ آرزو اور تمنا سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ عمل کو حاصل کرنے کے لئے عزمِ مصمّم اور جہدِ مسلسل شرط ہے جیسے عالم بننے کے لئے مذکورہ چیزوں کی ضرورت ہے۔

حضرت تھانویؒ کا درد بھرا ارشاد

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ میں نے پڑھا ہے بڑے درد سے فرماتے تھے کہ:

اے اِن مدرسوں کے پڑھنے والے طلباء! تم علم حاصل

کرنے کے لئے آٹھ سال اپنے پاس سے نکلتے ہو، کم از کم عمل کے لئے آٹھ مہینے ہی نکال لو اور میری خانقاہ میں آجاؤ!

رمضان شریف کا مہینہ جو خالص توجہ الی اللہ کا مہینہ ہے، اس مقدس مہینے میں حضرت تھانویؒ کے ہاں لوگوں کی اصلاح کے لئے شامیانہ لگ جاتا تھا، اس لئے کہ مدارس کے علماء و طلباء اس زمانے میں چھٹیاں ہونے کی وجہ سے بکثرت حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے حاضر ہوتے تھے، اور خانقاہ چھوٹی پڑ جاتی تھی اور شامیانہ لگانے کی ضرورت پیش آجاتی تھی، اور حضرت اپنی یکسوئی قربان کر کے ان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے کہ چلو ان چھٹیوں کے زمانے میں انہیں کچھ حاصل ہو جائے۔

علم اور عمل دونوں کی کوشش

محترم بزرگو اور عزیز اساتذہ اور طلباء و طالبات! اگر ہم علماء دیوبند سے وابستہ ہیں اور اکابر علماء دیوبند سے ہمارا تعلق ہے تو اس تعلق کا حاصل یہ ہے کہ ہم دو باتوں کو اختیار کریں۔

﴿۱﴾ علم حاصل کرنے میں تن من دھن قربان کر دیں اور اس میں کامل مہارت حاصل کریں اور اپنے اندر پوری صلاحیت پیدا کریں جس کی آج کل شدید ضرورت ہے۔

﴿۲﴾ اس سے کہیں زیادہ تن من دھن باعمل بننے میں قربان

کریں، لہٰذا درجہ اعدادیہ سے ہی ہمیں عمل کی کوشش شروع کر دینی چاہئے تاکہ جب ہم دورہ حدیث سے فارغ ہوں تو علم و عمل دونوں کے جامع ہوں۔ ہمارے تمام اکابر علماء دیوبند کو اس وقت سے لے کر شروع کے اس دور تک جس کا میں نے ابتداءً تذکرہ کیا تھا، آپ انشاء اللہ ان کو ایسا ہی پائیں گے کہ علم کے اندر بھی اللہ پاک نے ان کو اپنی مثال آپ بنایا تھا اور عمل میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اور طریقہ یہی ہے کہ اس کے لئے محنت اور کوشش کرنی ہوگی کیونکہ بغیر محنت اور کوشش کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ انہیں کلمات پر میں اکتفاء کرتا ہوں اور آپ سب حضرات سے اپنے لئے دعا چاہتا ہوں کہ اللہ پاک نے جن بزرگوں کی یہ باتیں کہنے کی توفیق عطا فرمائی ہے ان کے علمی و عملی کمالات میں سے کوئی ذرہ اپنے فضل سے مجھے بھی عطا فرما دیں اور آپ کو بھی عطا فرما دیں اور ہم میں سے کوئی بھی اس سے محروم نہ رہے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اللہ جل جلالہ — محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جواہر الحدیث

(انمول موتی)

پندرہ چہل حدیثوں کا مجموعہ

- ایمان و ایمانیات
- برزخ محشر جنت دوزخ
- طہارت وضو غسل تیمم
- نماز
- زکوٰۃ و صدقات
- رمضان و صیام
- فضائل و مسائل حج وعمرہ
- تلاوت ذکر درود شریف
- جہاد فی سبیل اللہ
- نکاح و طلاق و حقوق ازواج
- تجارت و کسب حلال
- اخلاق حسنہ
- آداب زندگی
- رحمت و مغفرت الٰہیہ
- چالیس مسنون دعائیں

مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلند شہری ثم المدنی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

-/۱۴۰ روپے

جلد اول

اصلاحی مجالس

بسلسلہ تہذیبِ اخلاق و تربیتِ باطن

- تصوف کی حقیقت
- مجاہدہ و ریاضت
- بدنظری اور اس کا علاج
- غیبت اور اس کا علاج
- بدگمانی اور اس کا علاج
- تجسس اور اس کا علاج
- تکبر اور اس کا علاج

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

مکمل ۳ جلدیں

-/۴۵۰ روپے